بلا اجازت کوئی نہ چھاپے

(سلسلۂ کتب برائے رفاہ عام)

# قوانینِ قدرت یا انسانی دھرم

یعنی

# مسائلِ دُنیا کا قدرتی حل

مصنّفہ

ماسٹر کولو رام جی گپتا بی اے، بی ٹی سیکنڈ ماسٹر

گورنمنٹ ہائی سکول لیہ ضلع مظفرگڑھ

متوطن احسان پور

---

مئی ۱۹۳۴ء مطابق جیٹھ سمت ۱۹۹۱

---

ملنے کا پتہ :- ۱ - مصنّف

۲ - پنڈت وزیر چند شرما مالک

ویدک پستکالیہ موہن لال روڈ لاہور

تعداد ۲۰۰۰ قیمت ۵/

# سمرپن

پوجیہ پتا شری بھگت گنگا رام جی سورگباشی کے چرنوں میں
نوں نے بچپن ہی سے مجھے ایشور بھگتی کے رنگ میں رنگا۔
راس پستک کی تصنیف کے قابل بنایا۔ جو پریمی سجنوں کی سیوا
ں صرف لاگت کے داموں پر بھینٹ کی جاتی ہے۔ تاکہ منش
ترمیں پریم بڑھے۔ اور ایشور بھگتی کی چرچا ہو۔ کیونکہ یہی ہمارے
ب دکھوں کا واحد علاج ہے۔ شری۔ رائے صاحب
۔ سوہن لال جی کا دھنباد ہے۔ جنہوں نے چھپائی میں
رف لاگت کے ہی دام لئے۔ اور کتاب کی اشاعت میں
راہاتھ بٹایا۔ مجھے افسوس ہے کہ میرے بھائی ماسٹر
ندر داس جی کی بیماری وہرتیو کے کارن کتاب دیر سے
بع میں بھیجی گئی۔ مگر اس میں بھی پرماتما نے کچھ سکشا ہی
ی تھی۔ جس کا کتاب میں آنا ضروری تھا۔ اس لئے جن
ستوں کو باوجود تقاضائے شدید انتظار کرنی پڑی اُن
ے کشما چاہتا ہوں۔ اگر اسے بھائیوں نے پسند کیا۔ تو
ندی ایڈیشن بھی جلد نکل آئے گا۔ تاکہ بہنیں بھی پڑھ کر
بھ اٹھاویں۔ جو بھائی کوئی ترمیم یا تجویز بھیجیں گے بصد
کر یہ قبول کی جاویگی۔ دھنی بھائی اسے مفت یا کم قیمت پر
ٹ کر پنیہ کما سکتے ہیں۔ اس کتاب کے پڑھنے سے اگر کوئی زندگی
ھر گئی تو سمجھونگا محنت ٹھکانے لگی +

آپکا داس کے۔ آر گپتا
لیہ ضلع مظفر گڑھ
۲۸۔ جنوری ۱۹۳۴ء

# فہرست مضامین

کی تہ تک پہنچتے ہیں - کچھ تو ہندوستان کی پُورانی
کُتب پر قابض ہیں - اِن کے سہارے اس
دنیا کے قوانین کی تاویلیں کر رہے ہیں اور
کچھ تو قدرت کی کُھلی کتاب پر ہی اعتقاد رکھتے
ہیں - قوانین قدرت کو جوں جوں سمجھتے جاتے
ہیں - نئی ایجادوں میں کامیاب ہو کر مالا مال ہو
رہے ہیں - بد قسمت ہندوستان یُوں تو پُرانی
تہذیب و کتب کا خزانہ رکھتے ہُوئے دُنیا کا اُستاد
ہونے کا دعویدار ہے - مگر عملی طور پر اب اپنے
خزانہ سے قطعی نا آشنا ہو چکا ہے - کیا ہُوا اگر
معدودے چند اس کھوج میں ہیں - مگر وہ بھی
کیا کریں جب آگے قدر و اعتقاد کی کمی ہو - کچھ
لوگ تو تہذیب و علمیت کے نشے میں اِن پُرانی کتب
و فلسفہ کے نزدیک تک ہی نہیں بھٹکتے اور ان کو
حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں - اُن پر تو یہ مثال
صادق آتی ہے - کہ انگور کھٹے ہیں، کیونکہ آخر ہے
بڑی دماغ سوزی کا کام - جن کتب کو رشیوں عالموں
نے اِکانت میں بیٹھ کر دریاؤں کے کنارے بڑے
تپ و ریاضت کے بعد لکھا ہو - اُن کو سمجھنے میں بھی
تو کچھ محنت ہی درکار ہونی چاہیئے - آج کل کی
مادی زندگی میں ہم اس تپ و ریاضت و مشقت
سے روز بروز نا آشنا ہو رہے ہیں - وہ دِن دُور
نہیں - جب کہ تمام لوگوں کا مذہب صرف سائنس ہی

رہ جائیگا - ع

خدا شرے برانگیزد کہ خیرے مادراں باشد

کے مصداق اس میں بھی ایک بھلائی پنہاں ہے - مذہب کے نام پر جس قدر لڑائی جھگڑے کشت و خون ہو رہے ہیں - اس سے تو بہتر ہے - کہ قدرت کا کھلا ورق ہی سب کا گرو کہلائے اور قدرت دھوکا دے بھی نہیں سکتی - ع عیاں را چہ بیان' دیکھو سوچو اور سمجھو' اگر آپ کے دماغ میں صلاحیت ہے تو یہ اُسی راشتہ پر ہی آپ کو لے جائے گی - جس کے آپ مُتلاشی ہیں - اور اگر پھر بھی تنگ نظری و تعصب کے رنگ میں ہی اسے دیکھینگے - تو یہ ڈاکٹر بھی معذور ہے - کیونکہ آپ کا مرض لاعلاج ہو چکا ہے - ؎

اگر اس پر بھی نہ سمجھے - تو اُن سے اب خدا سمجھے

میں نے اپنی مقدور بھر کافی کتب کا مطالعہ کیا ہے - مجھے کچھ ایسی باتوں کا شروع سے ہی شوق رہا ہے - جن سے کچھ اس سنسار کے فلسفہ کی وضاحت پائی جاوے میں نے ہر مذہب و ملت کی کتب تک پہنچنے کی کوشش کی ہے - کئی مشہور کتب کا بارہا مُطالعہ کیا ہے - آخر اس نتیجہ پر پہنچا - کہ جس نے دُنیا بنائی - اُس نے شرُوع سے ہی ہم کو اس کی مکمل واقفیت بھی دی - دوائی کے ساتھ جب پرچہ استعمال ساتھ ملتا ہے

جو لوگ کوئی مشین ایجاد کرتے ہیں۔ طریقہ استعمال
بھی بتلاتے ہیں۔ شروع شروع میں آغاز دنیا میں
اس طرح دنیا کے بنانے والے نے بھی ضرور ہی
لوگوں کو ہدایات بخشی ہونگی۔ جن کو نیک آدمیوں نے
ضرور یاد رکھا ہوگا اور پھر قلمبند بھی کیا ہوگا۔
تاکہ آئندہ نسلوں کی رہنمائی ہو سکے۔ ان کا نام
چاہے آپ کچھ رکھیں بہر حال یہ دنیا کی ایک
نہایت پرانی کتاب یا دستاویز ہونی چاہئے۔ کیونکہ کسی
شہر کے پرانے حالات بتانے کو ہم سب سے بڑی
عمر والے انسان پر ہی اعتبار کر سکتے ہیں۔ دنیا
بھر کی کتب میں وید سب سے پرانی کتب تسلیم
کی جا چکی ہیں۔ اور عقل تسلیم کرنے کو تیار ہے
کہ اس نظام دنیا کی مکمل تشریح ان میں موجود
ہے۔ اور یہ آغاز دنیا سے ہی چلے آتے ہیں۔
جیسے گیتا میں سری کرشن جی کہتے ہیں۔ جب جب
سنسار میں دھرم کی گلانی ہوتی ہے لوگ پاپ کی
طرف جھک جاتے ہیں۔ تو پرماتما پھر لوگوں کی
ہدایت کو مکت آتمائیں یا مہاتما لوگوں کو بھیجتے ہیں۔
ایسے لوگ مختلف زمانوں میں آئے اور ان کے نام
پر الگ پستکیں ہیں۔ جو خدا کی طرف سے لوگوں
کے نام ہدایات یا احکام سمجھئے۔ ان کو آپ قرآن
شریف کہیں بائیبل یا توریت۔ نیک باتیں اور
ہدایات یا دھرم یا ایمان کے اصول زمانہ کے لحاظ

سے کبھی تبدیل نہیں ہو سکتے - اس لئے
دھرم کے اُصول مُشترک ہیں اور وہ سب کتابوں
میں پائے جانے چاہئیں اور ملتے ہیں - البتہ اتنی
بات ضرور ہے کہ خوش اعتقاد لوگوں نے اِن کی
کچھ ایسی تاویلیں کر دیں کہ موجودہ سائنس کی روشنی
میں ایک مت کے معتقدوں میں بھی اختلافات پیدا
ہوتے گئے نہ صرف یہی بلکہ کشت و خون تک نوبت
پہنچنے لگی - گئے تھے خدا کا راستہ تلاش کرنے پھنس
گئے خودی میں اور پھر ایسے بھٹکے کہ اب تک ہوش
بھی نہیں آئی کہ آخر منزل مقصود کیا تھی - ایک
زمانہ تھا - جب کہ یہ حالت یورپ میں
بھی طاری تھی - پروٹسٹنٹ - کیتھولک - یہودیوں میں
جنگ و جدل تھا - کشت و خون بھی ہمارے مُلک
سے کچھ کم نہ تھا - مگر اب وہاں خاموشی کیوں نظر
آتی ہے - کیا یہ دُنیا سچّی مذہب پرست ہو گئی
ہے - نہیں ہرگز نہیں - بلکہ دھرم کے درخشاں
اُصول کچھ براہ راست قدرت و سائنس کے مطالعہ
سے ہویدا ہو چکے ہیں - اور اب اُس منزل سے
گویا گزر چُکے ہیں - مذہب کی کتابیں بدستور سامنے
ہیں - مگر پجاری سائنس کے ہیں - ہاں اُس قدرتی
سائنس کے جو اُن کو کبھی دھوکا نہیں دے سکتی
اِس کی چکا چوند میں آدمی خطا کھا کر جلدی میں
خدا سے مُنکر بھی ہو سکتا ہے - مگر لاپلاس کی

طرح آخر اُس کی ہستی تسلیم کرنی پڑتی ہے۔
کیا یہ معجزہ نہیں کہ آج وہی سائنس جو انسان کو
منکر و کافر بنا سکتی ہے۔ اپنے پجاریوں کو مالا مال
کر کے خدا کے نزدیک نہیں لے جا رہی؟ کسی
مذہب کے نام کو آپ چھوڑ دیں۔ ان ناموں نے
ہم کو ایسا اندھا کر دیا ہے۔ کہ ہم راستی کو بھی
بعض اوقات جھوٹ کہتے ہوئے نہیں شرماتے۔
مگر انصاف کرو کہ ہم مذہب کے پجاریوں کی نسبت
وہ زیادہ امیر ہیں۔ وہ زیادہ بآرام ہیں۔ کیا اُن
میں کثرت ایسے آدمیوں کی نہیں جو زندگی کو صحیح
معنوں میں طے کر رہے ہیں؟۔ اُن میں دانی
سخی۔ بھگت۔ عالم۔ حاکم ہم سے یقیناً زیادہ ہیں
جن لوگوں میں خدا کی نعمتیں زیادہ ہیں۔ یقین جانو
وہ خدا کے منظورِ نظر ہیں اور اس کے زیادہ نزدیک
ہیں۔ صرف یہی ایک کسوٹی ہے۔ معلوم ایسا ہوتا
ہے۔ کہ ہندوستان بھی کتابی مذہبوں کے تعصب
سے بیزار ہو رہا ہے۔ یہ باہمی کشمکش و لڑائیاں
آخر اُسے سیدھے راستہ پر لانے والی ہیں۔ اور
خطِ مستقیم تو صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ اور یہی
ایک سڑک ہو سکتی ہے۔ جس پر چلنے سے اختلافات
فنا ہو سکتے ہیں۔ یہی امن و امان کا راستہ ہے
صرف یہی راستہ تھا۔ جو اُن بزرگوں کی کوشش
سے دریافت ہوا۔ جن کو آغازِ دُنیا ہی میں اس

کی اشد ضرورت تھی - اس کی زمانے زمانے کے بعد تجدید ہوتی رہی - مگر مجددوں کی رنیت پر آپ ننک نہ کریں - وہ ضرور نیک تھے - ہماری خوش اعتقادی کی بارش نے کچھ ایسی گھاس پیدا کر دی کہ سیدھا راستہ چھُپ گیا - پھر جو آیا اُس کے پیچھے لگ پڑے - راستے کئی بن گئے - جھگڑوں کی بُنیاد پڑ گئی - اور اپنے مُنتہائے مقصود سے بھی بیزار ہو گئے - زمانہ ایک تجربہ کار اُستاد ہے - اس کے تھپیڑے کھا کھا کر کونسی قوم ہے - جو راہِ راست پر نہ آئی - کون سا مُلک ہے جہاں فساد و کشت و خون نہ ہؤا - ہندوستان کا نمبر اگرچہ بہت پیچھے ہے - مگر اُس کے لئے بھی راستہ آخر یہی ہو گا اور وہ منزل آ رہی ہے - بعض دفعہ کسی بیماری کا بڑھ جانا ہی دوا بن جاتا ہے - اب ہم اُس حد پر پہنچ گئے ہیں - جبکہ ہم کو ایک نیا سبق از خود حاصل ہو گا - کسی گورد وہادی کی ضرورت اب ہمیں رہی - قانون قدرت اب ہم کو سیدھے راستہ پر لائیگا - کیونکہ یہ اُس کا فرض ہے - ہماری زبان پر - لباس پر اور طرزِ عمل پر چاہے مختلف مذاہب کا ٹھپہ لگا ہی رہے - مگر ہمارے دماغ منوّر ہونے کو ہیں - ہمارے دِل کشادہ ہو جانے والے ہیں - جن میں تمام خلق خدا سمانے والی ہے - اور عنقریب ہے - کہ ہم بھی زندگی کا لُطف اِس طرح اُٹھا دیں -

جس طرح باقی دُنیا - تب ہی ہم اُن کے حقیقی
بھائی کہلا سکتے ہیں - اور تب ہی ہم دعویدار بن
سکتے ہیں - کہ ع ہم بھی ہیں پانچوں سواروں میں -
قدرت کی کتاب ہر ایک کے سامنے کھلی ہے -
اور یہی ایک کتاب ہے - جس سے کوئی مُنکر ہو ہی
نہیں سکتا - قدرت کے اُصول و قوانین اٹل ہیں -
ہر مُلک و براعظم میں خشکی و تری پر یکساں اِن کی
حکومت ہے - وقت اِن کو تبدیل نہیں کر سکتا - کس کی
مجال جو اِن سے سرکشی کر سکے - ہر ایک کو ماننا
ہی ہوگا - جلدی یا بدیر اور آخر میں اِن ہی کی
تابعداری میں ہیں - آؤ اِن چند صفحوں میں ان کو
سمجھنے کی کوشش کریں - کوئی یہ دعوے نہیں کر
سکتا - کہ اُس نے قدرت کے مسائل کو پوری طرح
حل کر لیا ہے - نیوٹن جیسے عالم بھی علم کے سمندر
کے صرف کنارے تک ہی کھیلتے رہ گئے - میں بھی
اس کا طفل مکتب ہوں اور لوگوں کو دعوت دیتا ہوں
کہ بلا تمیز مذہب - ذات - فرقہ - کشادہ دِلی و
دُور اندیشی سے قدرت کی نیرنگیوں میں خدا کے
بھیدوں کا فلسفہ دیکھیں - براہ راست تعلق پیدا
کریں - اِس میں اُن کو بڑی شانتی بڑا چین - بڑا
حوصلہ ملے گا - تب ہی آپ حقیقی آنند یا خوشی
محسوس کرینگے - لفظی بحث و خیالی دلائل رہنے دیجئے
عقل کے کواڑ کھولئے دیکھئے یہ کدھر جاتی ہے

قدرت خود ہی مقناطیس کی طرح اس عقل کے
بوہے کو اپنی طرف کشش کرے گی - کیونکہ اِن
کا آغاز دنیا سے ایک مستقل رشتہ چلا آتا ہے -
آپ درمیانمیں کسی چیز کو حائل نہ کریں - اسے
آزادی سے حرکت کرنے دیں - دُنیا کی تمام
پاک کتابوں میں اس کی طرف اشارہ ہے -
پیغمبر و گورو کوئی بھی اس کو محدود نہیں کرنا
چاہتا تھا - وہ سب اس کے معتقد تھے - ہماری
منزل مقصود و آخری سٹیشن پرماتما یا خدا ہے -
اس کا نام واہگورو کہو یا پرمیشور - گاڈ کہو یا
یزدان - گاڑیاں سب اس طرف ہی جا رہی ہیں
صرف اختلافات راستوں کی لمبائی چھوٹائی پر ہیں
مگر یقین جانو چھوٹے سے چھوٹا راستہ وہی ہے
جس سڑک پر خدا نے گویا ظاہری نشان لگا
رکھے ہیں یعنی قدرتی قوانین و اُصول؛ جو دن رات
ہماری نظروں کے سامنے ہیں ۔

---

# ۱۔ دُنیا کی پیدائش

نظرِ غور سے دیکھا جاوے۔ تو تمام جاندار انڈے سے پیدا ہوتے ہیں۔ چاہے دُودھ دینے والے جانور ہوں یا پرندے یہ دوسری بات ہے۔ کہ کسی کا انڈا باہر آ کر پھٹے۔ اور کسی کا شکم مادر کے اندر۔ مثلاً مُرغی وغیرہ پرندوں کے انڈے ہی نکلتے ہیں۔ جن سے کئی دن بعد بچے پیدا ہوتے ہیں۔ اس طرح انسانوں اور دودھ دینے والے یا دیگر جانوروں کے بچے بھی درحقیقت انڈوں میں ہی ہوتے ہیں۔ جن کو جھلی کہتے ہیں۔ اور یہ انڈے ماں کے پیٹ کے اندر پھٹ کر بچہ باہر نکال دیتے ہیں۔ اور بعد میں یہ خول یا جھلی بھی باہر ہی آ جاتی ہے۔ بعض اوقات یہ دیکھا گیا ہے کہ یہ انڈہ ہی باہر نکل آیا۔ جس کو نادان دائیوں نے گوشت کا لوتھڑا سمجھا۔ مگر سمجھدار دائیاں اس کو پھاڑ کر بچہ نکال لیتی ہیں صرف حیوانات میں ہی نہیں۔ بلکہ نباتات کا بھی یہی حال ہے۔ کوئی بھی بیج زمین میں دفن

کرو۔ وہ گلے گا۔ اس میں سے ایک انکُرہ نکلے گا۔ انگوری طاقت آنے پر اس انڈے کو پھاڑ کر باہر آ جائے گی۔ اور آہستہ آہستہ زمین کے باہر نمودار ہو جائے گی۔ جیسے بچہ ماں کے پیٹ میں یا باہر اُس انڈے کی خوراک سے پرورش پا کر وقت آنے پر باہر آتا ہے۔ بجنسہٖ نباتات کی انگوری بھی جب تک انڈے سے باہر نہیں آتی۔ اُس بیج کے آٹے میں گودہ کے گودھ پر ہی جو اُس انڈے میں بند ہوتا ہے۔ پرورش پاتی ہے۔ کوئی گندم یا چنے کا دانہ بو کر اس کے مختلف مدارج کا مشاہدہ ہر ایک آدمی کر سکتا ہے۔ نر و مادہ کا تعلق تو حیوانات کی طرح اب نباتات میں بھی مانا جانے لگا ہے جو افزائش نسل کی بنیاد ہے۔ جب نباتات و حیوانات کل ذی حیات کا یہی حال ہے کہ ان کی پیدائش انڈے سے ہوتی ہے۔ تو یہ قیاس درست ماننا پڑتا ہے۔ کہ دُنیا کا آغاز ہمیشہ انڈے سے ہوتا ہے۔ دُنیا کی سب سے پُرانی کتاب وید اس کی تائید کرتی ہے۔ اب مُرغی پہلے بنی یا انڈہ۔ پانی پہلے بنا یا بادل۔ دن پہلے تھا یا رات یہ ایسے سوال ہیں جن کا جواب عقل محض یہ دے سکتی ہے کہ

کہ یہ دور دورہ قدرت کا ایسے ہی ایک چکر کی صورت میں چل رہا ہے۔ ضروری ہے کہ پہلے مُرغا و مُرغی پیدا کئے جائیں۔ پانی پہلے بنایا جاوے۔ سورج کی ہستی پہلے تسلیم کی جاوے۔ برہم آرنیک اُپنشد میں لکھا ہے کہ پرتھوی و آکاش ایک انڈے سے بنے۔ وُہ انڈا جب ٹوٹا تو اُس کے دو حصے ہو گئے۔ ایک سوریہ ستارے وغیرہ۔ دُوسرا زمین جیسے انڈے کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک زردی۔ دُوسرا سفیدی۔ نیبولا تھیوری بتاتی ہے۔ کہ وُہ انڈا گھومتا رہتا ہے۔ پرتھوی سے چندرماں بنا۔ پھر آہستہ آہستہ اور ستارے و سیارے ؎

## ۲۔ موجودہ دنیا کی عُمر

ہر ایک شخص جانتا ہے۔ کہ دنیا فانی ہے کئی دفعہ بنی ہوگی۔ اور کئی دفعہ فنا ہوئی ہوگی۔ اس لئے موجودہ دُنیا کی عُمر کا اندازہ لگانا ہو تو اس کی شکل و ہیئت کو دیکھنا چاہیئے جیسے کسی آدمی کی عمر کا اندازہ اُس کے چہرے و جسم کو دیکھ کر لگا سکتے ہیں۔ دُنیا کے پہاڑ جنگلات۔ دریاؤں پر نظر دوڑاؤ۔ کیونکہ یہی

قدرتی آثار ہیں۔ جن سے تخمینہ صحیح صحیح لگایا
جا سکتا ہے۔ ہمالہ کی سربفلک چوٹیاں اور
پہاڑوں کے ساتھ ساتھ نہایت گہرے غار
اور لمبے لمبے دریا۔ امریکہ و افریقہ کے صدہا
میلوں تک پھیلے ہوئے جنگلات کو دیکھ کر ماننا
پڑتا ہے کہ دُنیا کی عمر ہزارہا سال ہوگی۔ دنیا
کی سطح پر یہ تبدیلیاں کوئی چند سو برس کا
کام نہیں۔ جیسے افریقہ و امریکہ کے جنگلات
کو صاف کرنے و آباد کرنے میں صدہا برس لگے
ہیں۔ اس سے اندازہ کر لو۔ کہ ساری دُنیا کو آباد
ہوُئے کِس قدر عرصہ لگا ہوگا۔ اور اب تو جدید
تحقیقات سے پتہ لگ گیا ہے۔ کہ زمین کی کھدائی
سے بعض ایسے جانوروں کے پنجر ملے ہیں۔ جن کے
سائنٹفک مطالعہ سے نتیجہ نِکلا ہے۔ کہ وہ ہزار
ہا سال کے ہیں۔ کئی شہر زمین میں دبے پڑے
ہیں۔ اِن آثار قدیمہ سے نہ صرف دنیا کی عمرُ
کے اندازہ لگانے میں مدد ملتی ہے۔ بلکہ قدیم
تہذیب و تمدن پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اِن کے
حالات آئے دِن اخباروں میں نکلتے رہتے ہیں۔
مثلاً ٹیکسلا کے کھنڈرات۔ ہڑپہ اور موہنجو دھارو
(سندھ) کے کھُدائی کے کام و عجائب گھروں کو
جا کر دیکھیں تو ہمیں اس بات میں بڑی مدد مل
سکتی ہے۔ مختلف سائنسدان جو پہلے اس دُنیا کی عمر

کا اندازہ صرف چند ہزار برس ہی لگاتے تھے۔ اب اِسے ہزارہا سال پرُانا تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ رِگ وید میں جو دُنیا کی لائبریری میں سب سے پرُانی کتاب تسلیم کی جا چکی ہے۔ اس دنیا کی عمر پر پوُری بحث کرتے ہوئے دُنیا کی عمر ٹھیک ٹھیک ہندسوں میں بتا دی گئی ہے رشی دیانند نے رِگ وید آدی بھاشیہ بھومکا میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔ اس لئے ماننا پڑتا ہے۔ کہ دُنیا کی عمر کا اندازہ کئی ارب برس جو اِس میں لگایا گیا ہے۔ ضرور دُرست ہوگا۔ کیونکہ اس کی بُنیاد پرانے علم ہیئت و نجوم پر ہے۔ جس کو ہم آج کل بھی مانتے ہیں۔ جو ہم کوئی سال پہلے سوُرج گرہن۔ چاند گرہن وغیرہ کی صحیح تاریخیں و وقت بتا دیتا ہے۔ کئی یونیورسٹیوں میں اب علم نجوم یعنی اسٹرانومی کی باقاعدہ تعلیم بھی دی جانے لگی ہے۔ اس کے مطابق موجودہ دُنیا کی عمر ایک ارب ستانوے کروڑ اُنیس لاکھ اُنچاس ہزار تینتیس برس کی ہے۔

## ۳۔ دنیا کے بنانے والا (خدا کی ہستی)

کسی چیز کو دیکھ کر ہی اس کے بنانے والے کا خیال جھٹ پٹ پیدا ہوتا ہے۔ جیسے گھڑی کو

دیکھ کر کاری گر کی تعریف کرتے ہیں۔ ریلوے
انجن کو دیکھیں تو اس کے بنانے والے پر عش
عش کرنے کو جی چاہتا ہے۔ کہ جس سے ہم کو
اتنا آرام حاصل ہے۔ بلکہ موٹر۔ ہوائی جہاز
کس کس کا نام لیں۔ ان نئی ایجادوں نے و
بجلی کے کام نے خلقِ خدا کو محوِ حیرت بنا رکھا
ہے۔ کئی سائنسدان جو پہلے دُنیا کے بنانے
والے کی ہستی پر مُنکر تھے۔ اب اسے عاجزانہ
تسلیم کرتے ہیں۔ زمین۔ سورج۔ ستارے۔
ان کی باقاعدہ اشکال حرکات تبدیلی موسم۔ دِن
رات کی باقاعدگی۔ اس امر کا یقین دلاتے ہیں۔
کہ اس سارے نظام کی تہ میں کسی قادرِ مطلق
کا ضرور ہاتھ ہے۔ چاہے اس کا نام کچھ رکھ
لو۔ جو فرقے خدا کی ہستی سے مُنکر ہیں۔ وہ
خُدا کا یا کوئی اس کا مُترادف لفظ مُنہ سے
نہ کہیں تو نہ کہیں۔ مگر اُن میں بھی یہ مانا
جاتا ہے کہ ایک "شکتی" ہے۔ جو خود بخود سارے
نظام کو چلا رہی ہے۔ ایسے لوگوں کی تعداد
اس قدر قلیل ہے کہ ہم بلا مبالغہ کہہ سکتے
ہیں۔ کہ ساری دُنیا خدا کی ہستی تسلیم کرتی ہے
ساری مقدّس کتابیں اس کی قدرت کے تعریف
کے گیت گا رہی ہیں۔ اور سب سے بڑھ
کر یہ کہ بقول شیکسپیئر اُس کی قدرت ہی اُس کی

ہستی کی مُنہ بولتی تصویر ہے - چشمے اُس کے گیت گاتے ہیں - درختوں کے پتے اُس کا سجدہ کرتے ہیں - سربفلک چوٹیاں اُس کی طرف اشارہ کرتی ہیں - دریا اُس کے نغمے گاتے ہیں - سمندر اُس کی بھگتی میں موجزن ہیں ؎

# ۴ - پرماتما کی قدرت

آگ - ہوا - پانی - مٹی - بجلی کئی طاقتیں دُنیا میں کام کر رہی ہیں - اگر ان میں سے ایک بھی نہ ہو تو پل بھر دنیا قائم نہیں رہ سکتی سائنسدان کتنی ہی ایجادیں کرتے جاویں - پرماتما کی قدرت کے بھید کو پہنچ نہیں سکتے - البتہ پرماتما کی طاقت کا ہی زیادہ پرکاش ہوتا جاویگا - کیونکہ اس کے بغیر کسی ایجاد کا چلنا تو کہاں - وہ چیز ہی نہیں بن سکتی - سب قدرت کی طاقتوں کے محتاج ہیں - یہ دیو شکتیاں ہیں - جن سے انسان چاہے تو بڑا بھاری فائدہ اُٹھا سکتا ہے - چاہے تو دُنیا کی تباہی کر سکتا ہے - ایک زہریلی گیس کی ایجاد نے جنگ عظیم میں اس قدر غضب ڈھایا - کہ اب قوموں کو مل کر سوچنا پڑ گیا کہ ان دیو شکتیوں کو جنگ میں یا تو استعمال نہ کیا جاوے یا جنگ ہی

کسی طرح سے بند ہو جاوے۔ گویا پرماتما کی
طاقت کے سامنے عملی طور پر سب ہار ماننے لگ
گئے۔ ان طاقتوں کے مقابلہ میں انسان کی شکتی
تو اب کوہ ہمالیہ کے مقابلے میں ایک چھوٹی
کنکری سے بھی کم دیکھ پڑتی ہے۔ خیال فرماؤ ابھی
ایک بھی تو سائنسدان نہیں نکلا۔ جس نے مُردے
میں پھر جان ڈال دی ہو۔ بغیر بیج کے درخت
اُگا دیا ہو۔ بوڑھوں کو کچھ عرصہ کے لئے جوان
کر دینا۔ مینڈک اور مچھلیوں پر تجربے کر کے
موت کے وقت چند لمحے تک اُن کی زندگی کو لمبا کر
دینا اس امر کا ثبوت نہیں۔ کہ اُنھوں نے قدرت
پر قابو پالیا۔ ۱۹۱۲ء ہوائی جہاز دے ٹائنک جہاز دُنیا بھر
میں اپنی نرالی شان و عظمت لے کر بنے۔ ان کی
حفاظت کے بے پایاں سامان مہیا کرنے پر بھی ایسی
اچانک و ایسی جلدی ان کی موت آپہنچی کہ دنیا
ششدر رہ گئی کیا یہ قدرت کی عظمت کا ثبوت
نہیں۔ انسان کی بنائی ہوئی گاڑیاں موٹریں آئے
دن ٹکرا کر موت کے فرشتہ کی مدد کر رہی ہیں۔
مگر خدا جانے کتنی صدیوں سے یہ نظام شمسی کا چکر
چلا آرہا ہے۔ مگر کیا مجال کہ ذرا خلل آجاوے۔
آئے دن ہزاروں نجومی پیشینگوئی کر کر کے مر
گئے کہ اس دُنیا کا بس فلاں مہینے فلاں تاریخ کو
خاتمہ ہو جائیگا۔ کیونکہ فلاں ستارے آپس میں ٹکرا

کر اس کو فنا کر دینگے - مگر ان کو ہر بار شرمندگی
ہی اُٹھانی پڑی - ایک آتش فشاں پہاڑ کی گرج
ایک زلزلہ کی لرزش - ایک سمندر یا دریا کی
طغیانی و بجلی کی چمک ہی - ایک وسیع طبقۂ ارض
کو ختم کر سکتی ہے - آدمی کی کیا مجال ہے - کہ
ان طاقتوں کے آگے گھمنڈ کر سکے - لاپلاس جیسے
زبردست سائنسدان و فلاسفر نے جب نپولین کو
دُنیا کی پیدائش پر ایک ضخیم کتاب لکھ کر پیش
کی تو وُہ حیران رہ گیا کہ اِس میں خدا کا تو
کہیں ذکر ہی نہیں - پُوچھنے پر وُہ بولا کہ میں نے
اس کی کہیں ضرورت ہی محسوس نہیں کی - جب
وُہ مرنے لگتا ہے - تو اپنی موت کے وقت زبان
حال سے خدا کی ہستی کا قائل ہو جاتا ہے - پنڈت
گورو دت جیسا سائنسدان و پروفیسر خدا کی ہستی سے
مُنکر تھا - رشی دیانند کی موت کا نظارہ ہی دیکھ کر
پرماتما کا قائل بن جاتا ہے - اُس کی قدرت کی شکتی
و ہستی جتانے کو انسان کی مدد کی ضرورت ہی نہیں
وہ خود پل کے پل میں چشم زدن میں قائل کر سکتی
ہے - اس کے آگے کئی فرعون - کئی ہرناکش - کئی
سکندر - کئی نپولین - کئی زار - کئی قیصر دست بستہ
رہ گئے - جن کو دنیا میں اپنی طاقت پر ناز و گھمنڈ
تھا - اِن کو اتنی بھی مہلت نہ مل سکی - کہ گڑ گڑا
کر معافی ہی مانگ سکیں - ایک پروفیسر پر کہیں خبط

سوار ہو گیا کہ دنیا از خود مادے سے بنی ہے ۔ مادہ
خود بخود شکلیں تبدیل کر لیتا ہے ۔ گویا خدا کی ہستی
سے قطعی منکر تھا ۔ اُس کا بیٹا اِس کے برعکس
پرماتما کا قائل تھا ۔ ایک دن اُس نے باپ
کو کہا فلاں نقشہ مجھے بنا دو ۔ مجھ سے بن
نہیں سکتا ۔ اُس نے کاغذ قلم دوات میز پر
رکھ دینے کو کہا ۔ پروفیسر صاحب سو گئے نقشہ
بنانا یاد نہ رہا ۔ رات کو لڑکے نے چپکے سے
نقشہ بنا کر رکھ دیا ۔ سویرے پروفیسر صاحب حیران
رہ گئے کہ نقشہ تو بنا بنایا موجود ہے ۔ بیٹے
سے پوچھا اُس نے مصلحتاً انکار کر دیا ۔ اور
کہا شائد کاغذ قلم دوات سے خود بخود ہی بن گیا
ہو گا ۔ پروفیسر صاحب بیٹے کی بیوقوفی پر ہنسنے
لگے ۔ لڑکے نے ٹھیک کہا کہ اگر معمولی نقشہ بھی
سامان موجود ہوتے ہوئے خود نہیں بن سکتا تو اتنی
بڑی بھاری دنیا خود کیسے بن سکتی ہے ۔ پروفیسر
صاحب کی آنکھیں کھل گئیں وہ ہار مان لی ۔ خدا کے
آگے گردن جھکا لی ۔ در حقیقت ہم نظر غائر سے
دیکھیں ۔ خدا ہم کو ہر جگہ ہر چیز میں نظر آتا
ہے ۔ پھولوں کی رنگ و بو میں ۔ سورج کی چمک
میں ۔ بجلی کی دمک میں ۔ کس کی جھلک ہے ؟
ٹھیک ہمارے ہر اعضا کے نس نس میں جس
طرح جان ہے اُسی طرح پرماتما ہر ایک چیز میں

جلوہ فگن ہے۔ اُس کے دیکھنے کو ظاہری
نہیں۔ بلکہ باطنی چشموں کی ضرورت ہے۔ کیونکہ
ہم سے وہ اتنا قریب ہے کہ ہم اسے نہیں دیکھ
سکتے۔ جیسے اپنی آنکھ کا سرمہ نہیں دیکھا جاسکتا
اور وُہ اس قدر دُور ہے کہ بڑی بڑی دُور
بینوں کی بھی طاقت نہیں کہ اسے دیکھ سکیں ؎

ہو راز دل نہ یار سے پوشیدہ یار کا
پردہ جو درمیان نہ ہو دل کے غبار کا

یہی پردہ ہی تو ہے۔ جو حائل ہے۔ اس گناہ
یا پاپ کے میلے پردے کو دُور کر دو تو آپ درشن
کر سکتے ہیں۔ کئی فقیروں اولیاؤں بھگتوں و رشیوں
نے درشن کئے۔ اُس کے سارے بھید ان پر
منکشف ہو گئے۔ وہ ایسے مبہوت ہوئے۔ کہ
دنیا اور اس کی طاقتوں کو اُنہوں نے کچھ بھی
نہ سمجھا۔ دنیا اب تک اُن کے مزاروں کی آستان
بوسی کر رہی ہے۔ مگر یہ اب تک پھر بھی نہ سمجھا
کہ جس طاقت کے جلوے سے اُن میں اس
قدر روحانیت آگئی کہ لاکھوں انسان از خود
کھنچے چلے جاتے ہیں۔ تو خود اس طاقت کے
سرچشمہ کی پرستش کرنے میں کس قدر آنند
حاصل ہوگا ؟ یہ بھید چشم بصیرت ہی دیکھ سکتی
ہے۔ ایک فقیر بادشاہ سے خیرات مانگنے گیا بادشاہ
کو نماز پڑھتے دیکھ کر ہی لوٹ آیا کہ جب یہ

خود مانگ رہا ہے مجھے بھلا یہ کیا دیگا ؟ میں
خود ہی براہ راست اُس ایشور سے کیوں نہ
مانگوں ؟ جنگل میں بیٹھ گیا - اور دولت قدموں
پر چاروں طرف سے آنے لگی - ع

بن مانگے موتی ملیں مانگے ملے نہ بھیک

لکھو کھا فقیر گلیوں میں پھرتے ہیں - اُن کو
کوئی پوچھتا بھی نہیں - اور جو شہر میں آنے سے
عاری ہیں - دُنیا اُن کے پیچھے جنگلوں میں خاک
چھان رہی ہے - شیخ سعدی نے ایک حکایت
میں کیا خوب لکھا ہے کہ جب کسی بادشاہ نے روپوں
کی تھیلی وزیر کو دے کر کہا کہ کسی مستحق فقیر کو
دے آؤ اُس نے واپس آ کر پھیر دی اور کہا
جو مستحق ہیں - وہ تو لیتے نہیں اور جو لیتے ہیں وہ
مستحق نہیں نظر آتے ×

# ۵ - پرماتما کے درشن

ہر جگہ موجود ہے لیکن نظر آتا نہیں
یوگ سادھن کے سوا اُس کو کوئی پاتا نہیں

کیونکہ ان آنکھوں سے تو وہ نظر آ ہی نہیں سکتا
باطنی آنکھیں ہماری بند ہیں - کیونکہ اُن کے کھولنے
کی ہم کو فرصت ہی نہیں - ہمارے من اس دُنیا
کی چیزوں میں اس قدر موہت ہیں کہ ہر ایک

نظارے پہ ڈانواں ڈول ہو رہے ہیں - ایک
تو شیشۂ دل پر گناہوں کا میل ہے - دُوسرا
شیشہ ساکن نہیں - من ڈانواں ڈول سا رہتا ہے
بھلا تصویر یار نظر کیسے آوے - چت ایکاگر نہیں
یکسوئی قلب حاصل ہو تو تصویر نظر آوے - یکسوئی
قلب کیسے حاصل ہو - اس کے لئے بڑی بھاری
مشق کی ضرورت ہے - روز مرہ باقاعدہ جب تک
اپنے اعمال کا کفارہ نہ ہو صفائی قلب میسّر نہیں
ہو سکتی - ایکانت خلوت نشینی کا شوق نہ ہو تو
من یکسُو ہو نہیں سکتا - دُودھ سے مکھن نکالنے
کے لئے اُس کے گرم کرنے - ٹھنڈا کر کے
جمانے - بلونے و مکھن ذرہ ذرہ کر کے اکٹھا کرنے
کی مشقت کرنی پڑتی ہے - تو بھلا ایشور درشن
کوئی بچوں کا کھیل تھوڑا ہے - جنہوں نے ساری
عمر خاک چھانی - تب کہیں اُنہیں دیدار نصیب ہوئے
مگر جب ہوئے تو دنیا سے مستغنی ہو گئے - اپنے
دل کے میلے کرتے کو بھگتی و عبادت کے صابُون
سے روز دھویا کرو - تاکہ اُس سفیدی کے درشن
ہوں - سفیدی تو کہیں سے لا کر چڑھانی نہ پڑیگی -
البتہ اُوپر کی میل ہی کو صاف کرنے کی ضرورت
ضرور ہے - اس میل کو صاف کرو - نئی میل چڑھنے
نہ دو - بس جلوہ ہی جلوہ ہے - عین صبح و شام
کے وقت قدرت از خود خاموشی طاری کر دیتی ہے

پرند چرند بھی بسیرا لیتے ہی اُس کے گن گانے لگ جاتے ہیں۔ مگر اشرف المخلوقات انسان بہت کم اس طرف توجہ دیتا ہے۔ اَیسے آنند و عبادت کے وقت بھی دنیا کے لہو و لعب میں گذر جاتے ہیں۔ پھر خدا ہم سے دُور اور ہم پرماتما سے دن بدن دُور نہ ہوتے جائیں۔ تو کیا ہو؟ نتیجہ اس کا سامنے ہے۔ لڑائی جھگڑے بے چینی بے اعتباری گویا محبت و پریم کا نام دنیا سے کافور ہو گیا ہے پرماتما و واہگورو سے جب انسان کا پریم بڑھتا ہے۔ اُس کی خلقت کے ساتھ از خود بڑھتا جاتا یہ لازم ملزوم باتیں ہیں۔ جسے دنیا کو آج جان لینے کی از حد ضرورت ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر ملک میں جنگ و جدل۔کشت و خون کشمکش لڑائی جھگڑے و بے چینی پھیلی ہوئی ہے۔ اس کا واحد علاج یہی ہے۔ کہ خلقت کو پربھو پریم و بھگتی کی تعلیم دیکر راہ راست پر لایا جاوے۔ پھر دیکھ لو کہ

من تو شدم تو من شدی۔من جاں شدم تو تن شدی
تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

اُس پریم و محبت کے سرچشمے کو پہاڑوں کی چوٹی پر وسیع ریگستانوں میں سمندر کی تہ میں۔ سورج و ستاروں میں آکاش کی لہروں میں تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ اپنے دل کی کوٹھڑی کھول کر دیکھو

ع لڑکا بغل میں ڈھنڈورا شہر میں

کیا اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے سوتے جاگتے۔ آپ
اُس کو نہیں دیکھتے۔ اُس سے باتیں نہیں کرتے
جب کسی مصیبت میں گرفتار ہوتے ہیں۔ اُسی ہی کا
خیال نہیں آتا۔ کیونکہ آرام و سُکھ کے وقت تو ہم
اُس کی امداد سے غافل ہی ہوتے ہیں۔ بچّے کو
ماں اُس وقت یاد آتی ہے۔ جب بھوک لگتی ہے
وہ تو سائے کی طرح ہمارے ساتھ ہے۔ اگر ہم
اُس کا سہارا لینے کو تیار ہوں۔ مگر ہمیں تو
پرواہ ہی نہیں۔ وہ تو اپنی آواز نیکی بدی کے
وقت ہماری ضمیر و آتما کی معرفت سنا ہی دیتا
ہے۔ مگر ہم توجہ بہت ہی کم دیتے ہیں۔ گویا
یہ کوئی آواز ہے ہی نہیں۔ سچ ہے نقار خانے
میں طوطی کی آواز کون سُنتا ہے؟ آخر مدھم ہوتے
ہوتے ہمارے خیال میں یہ چپ ہی ہو جاتی ہے
نہیں بلکہ جب ہم کسی غلطی یا گناہ کے بعد پشیمان
ہوتے ہیں تو یہی آواز اُس افسوس و پچھے
پشچاتاپ میں پنہاں ہوتی ہے۔ اور اُس وقت
بھی ہم کو سہارا دے رہی ہوتی ہے۔ ہم اُسے
زبان سے چھوڑ دیں۔ اعمال سے بغاوت کر
دیں۔۔ کھلے بندوں اُس کے قوانین سے منحرف
ہو جائیں۔ مگر اُس کے حوصلے و کشادہ دلی پر
کبھی عش عش نہیں کرتے کہ پھر بھی تو ہم کو وہ

روزی دیتا ہے ۔ ہوا ۔ پانی ۔ روشنی اُس طرح
ہی کی نعمتیں ہم کو مُیسّر رہتی ہیں ۔ اُس کی سخاوت
کا دروازہ پھر بھی کھلا رہتا ہے ۔ کیسا سنہری
اصُول ہے ۔ ہم کس کے ساتھ ذرا سی مہربانی
کر کے شکریہ کی اُمید رکھتے ہیں ۔ ہزار ہزار احسان
جتاتے ہیں ۔ عوض معاوضہ کی توقع رکھتے ہیں ۔
ذرا کسی سے نقصان پہنچے ۔ اُس کی جان تک لے
لینے کے منصوبے باندھتے پھرتے ہیں ۔ سینکڑوں
طرح اُسے نقصان پہنچا کر اپنی انتقام کی آگ
کو ٹھنڈا کرتے ہیں ۔ مگر قدرت کا سنہری اُصول
اُس وقت بھی ہم کو یاد نہیں آتا ۔ اگر ہم اپنے مخالف
کو انتقام کی نظر سے نہیں بلکہ محبت کی نظر سے دیکھیں
خدائی جلوہ اُس کے اندر بھی چمکے گا ۔ اور ضروری
ہے ۔ کہ وہ اپنے کئے پر پشیمان ہو ۔ مگر ہم اتنی
مہلت ہی کہاں دیتے ہیں ۔ جس انسان کو خدا سے
محبت ہوتی ہے ۔ پرماتما کے اوصاف اُس کی
ذات سے ہویدا ہونے لگتے ہیں ۔ محبت کی
شعاعیں اُس کے چہرے سے نکلنے لگتی ہیں ۔
اُس کا چہرہ نُور سے تاباں ہوتا جاتا ہے ۔ دِل
ایکانت چاہتا ہے ۔ زبان خاموشی اختیار کرتی جاتی
ہے ۔ جو اُسے ایک دفعہ دیکھتا ہے ۔ مسحُور ہو کر
رہ جاتا ہے ۔ خلقت اُس کے درشنوں کو دوڑتی
ہے ۔ لوگ اُس کے قدموں کی خاک ڈھونڈتے

پھرتے ہیں - حضرت محمدؐ - گورو نانک - حضرت عیسیٰ
سری رام و کرشن - رشی دیانند میں آخر کون سی کشش
تھی - کہ لوگوں کی آنکھوں میں سما گئے - خلقت بلا
تمیز و مذہب اُن پر دیوانی ہو گئی - بڑے بڑے
اولیا - فقیر و بھگت موت کے بعد بھی پوجے جانے
لگے - مگر افسوس اُس وقت بھی تو ہم کو خیال
نہ آیا - کہ جس پرماتما کے دربار سے ان کو اتنی
عظمت و شان ملی - ہم بھی اُس کی ہی عبادت
و بھگتی کریں - نہیں بلکہ ہم نے تو اِن فقیروں
و بھگتوں کے نام پر دکانیں کھول لیں - اور
خود غرضی سے ان کی خانقاہوں و مندروں پر
بیٹھ کر اِن کے نام کو بیچ بیچ کر دولت کمانے
لگے - اور اس نشہ میں اُن کی تعلیم سے بھی غافل
ہو گئے - البتہ اُن کے نام پر کٹ مرنے کو ہر وقت
تیّار ہیں - اور اسی کو ہم عبادت و بندگی تسلیم
کرتے ہیں - اور بڑے فخر سے اُمید رکھتے ہیں -
کہ دنیا ہماری گنتی شہیدوں میں کرے گی - ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

اُن بزرگوں نے تو خلقِ خدا کے پریم میں کسی
جانور کو بھی تکلیف نہ دینا - مسلک بنایا - ہم لاکھوں
جانوروں و انسانوں کی قربانی اُن کے نام پر ہی کر
کے سعادت مندی کی توقع رکھتے ہیں - اُن کی
لاشوں پر تو ہندو مسلمانوں کا دعوےٰ کہ یہ ہماری

مشترکہ جائداد ہے۔ مگر اُن کی تعلیم پر چلنے کا
وقت آوے تو ہندو مُسلم پریم تو کُجا۔ ہندو ہندو
آپس میں اور مُسلم مُسلم بھی آپس میں کٹ مریں۔
اور اُس وقت جھوٹی قومیت و فرقہ بندی کے نشے
میں ہم اپنے ضمیر کی آواز نہیں سنتے کہ ہم خداوند
تعالےٰ سے دغا کر رہے ہیں۔ بالکل اُن ناعاقبت
اندیش دو چیلوں کی طرح جو اپنے گرُو کی ٹانگیں
دبانے کو ایک ایک ٹانگ بانٹ کر بیٹھ گئے۔
مگر ذرا ایک ٹانگ دوسری پر آکر چڑھی کہ
چیلوں نے ڈنڈے مار مار کر دونو ٹانگوں کو زخمی
کر دیا۔ اور اپنے زعم میں گویا گورُو کی بڑی
خدمت ادا کر رہے تھے۔ سچ مچ اگر ہم حضرت
محمد صاحب کے نام پر یا گورو نانک جی کے نام
پر۔ رشی دیانند جی کے نام پر یا کسی مہاتما کی
آن پر آپس میں لڑتے جھگڑتے و کشت و خون
کرتے ہیں۔ تو یقیناً ہم ان بزرگوں سے دھوکا
کر رہے ہیں۔ اُن کے نام کو بٹہ لگا رہے ہیں
سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے گناہوں میں اُن
کو بھی گھسیٹ رہے ہیں۔ خداوند تعالےٰ ہرگز ہرگز
ایسی لڑائی و قتل و خون پر راضی نہیں ہو سکتا
یہ یقین جانئے۔ یہ تو ہم اپنی کم ظرفی بے وقوفی
و ناعاقبت اندیشی کا ثبوت دے رہے ہوتے ہیں
اس غصہ کی آگ و اندھے جوش میں نہیں دیکھتے

کہ کتنے بچے یتیم ہو جاتے ہیں۔ کتنی عورتیں بیوہ
ہو جاتی ہیں۔ کتنے امیر غریب ہو جاتے ہیں۔ کتنے
خاندانوں کے چراغ گل ہو جاتے ہیں۔ کتنی
عورتیں بیوہ ہو جاتی ہیں۔ کتنے زخمی و بیمار ہو
جاتے ہیں۔ کس قدر جائداد کا نقصان ہو جاتا
ہے۔ کتنی خوبصورت عمارتیں جل کر راکھ ہو جاتی
ہیں۔ دولت بے فائدہ برباد ہو جاتی ہے۔ خلق خدا
میں باہمی دشمنی کا بیج بو دیا جاتا ہے۔ کیا کوئی
بھی بزرگ جسے ایشور کا پیارا ہونے کا فخر حاصل
ہو۔ اس کارروائی پر شاباش کہہ سکتا ہے؟ اس
کا ایسے پیروؤں کی کارکردگی پر صاد کرنا خدا سے
ظاہراً بغاوت کرنا ہے یہ کبھی ہو نہیں سکتا۔ ان
کی تعلیم سے۔ ان کی زندگی و اعمال سے ہم کبھی
ایسا نتیجہ اخذ کرنے کو تیار نہیں اور نہ ہی
کوئی سمجھدار آدمی جسے خدا نے دماغ دیا ہے۔
اور دماغ میں عقل ایک لمحہ کے لئے باور کر
سکتا ہے۔ کہ ایسے بھگت رشی و پیغمبر جو دنیا میں
امن کے اوتار بن کر آئے ایسے دنگہ فساد کو اپنی
زندگی میں پسند کرتے۔ مگر اس پر بھی ہم بہادروں
میں نام لکھائے جاتے ہیں۔ اخباروں میں ہماری
تیغ زنی کی تعریفیں ہوتی ہیں۔ رہنمائے دھرم و ملت
جن کا کام اپدیش و تلقین تھا۔ ہائے افسوس! وہ
بھی تو جلتی پر تیل کا کام کرتے ہیں۔ خدا کی

مخلوق میں ایک بھی مردِ میدان نہیں نکلتا - جو ان گمراہ لوگوں کو راہ راست پر لائے - قویریت کے جوش میں یہ بد مست ہاتھی نہ قانون کی سُنتے ہیں نہ مذہب کی نہ بادشاہ کا خوف نہ خدا کا ڈر - نہ اولاد کی فکر نہ مُلک کی چنتا - گویا یہ خداوند تعالےٰ کی دنیا میں فرشتۂ اجل ہو کر اُٹھتے ہیں۔ اور آن کی آن میں ہنستی کھیلتی مخلوق خدا کو ذبح کر کے ایک عالم کو رُلا دیتے ہیں - گاؤں و شہر اُجاڑ دیتے ہیں - صرف اس اُمید موہوم میں کہ ع

نام شہیدوں میں لکھا جائینگے مرتے مرتے

ہزاروں بگلے بھگت و درپردہ ڈاکو ایسے موافع کی انتظار میں رہتے ہیں - منتیں مانتے ہیں - چڑھاوے چڑھاتے ہیں - کہ نفسا نفسی میں اُنہیں مال ملیگا۔ نہ محنت نہ مشاقہ چند ہی دنوں میں سیٹھ و مالدار بن بیٹھینگے - نہیں سوچتے کہ آخر یہ دولت بھی اور پھر ایسی دولت کب تک اُن کا ساتھ دے گی - ذرا نہیں سوچتے کہ آخر جیسا بوئینگے - ویسا کاٹینگے - قدرتی قانون اٹل ہے - اس سے وہ بھاگ نہیں سکتے۔ مگر یہ تب ہو جب خدا کا خوف ہو - کیسا خدا اور کیسا مذہب - کیسے بھگت و کیسے اولیا - ان کو تو ہوش تب آتی ہے - جب موت کے بستر پر ہوں یا پھانسی کے تختے پر - جیل خانہ سے نکل کر بھی تو کمریں پھر کس لیتے ہیں - ایک راجہ کو بھی بداندیشی

سے ایک دیوی کو خوش کرنے کے لئے انسانی قربانی کی بد عادت تھی۔ سالانہ سینکڑوں بے گناہ جانیں قربان ہو جاتیں۔ محض اسے خوش کرنے کے لئے۔ آخر ایک مہاتما آئے ایک تنکا راجہ کے ہاتھ میں دے کر کہا۔ کہ ایک ایسا ہی تنکا مجھے بنا دو۔ اُس کے انکار پر فرمایا۔ ایسا طاقت ور راجہ ہو کر ایک تنکا بھی تو نہیں بنا سکتا۔ مگر ہزاروں مخلوق کے سر کاٹے چلا جاتا ہے۔ تجھے اتنی عقل نہیں۔ کہ جس نے اُنہیں بنایا وہ کتنا ناراض ہوگا آئندہ کے لئے اُس نے کان پکڑے۔ اور توبہ کی۔ مذہب و دھرم کے نام پر جس قدر کشت و خون جانوروں و انسانوں کا ہو رہا ہے۔ اس کا عشر عشیر بھی تو بیماریوں سے نہیں ہوتا۔ اور پھر اُمید ہے کہ خدا خوش ہوگا۔ گویا جس کاریگر نے اپنی حکمت وکاریگری سے ایک کھلونا بنایا۔ اُس کی دادِ حکمت دینا تو کجا اُسے توڑ پھوڑ ڈالتے ہیں۔ گویا ہم کاریگر کو خوش کر رہے ہیں۔ آپ کا اعتقاد و دھرم ایسا کہتا ہو تو ہو۔ مگر قانونِ قدرت یقیناً اس کے برخلاف ہے۔ جو خدا اوپن اوھم کو اپنے سارے بھگتوں میں اول درجہ اس واسطے دیتا ہے۔ کہ وہ اس کی مخلوق سے پیار کرتا تھا۔ وہ اپنی مخلوق کے قاتل سے ہرگز خوش نہیں ہو سکتا۔ پانی سے کسی نے پوچھا تو لوہے تک کو تو ڈبو دیتا

دیتا ہے۔ مگر لکڑی کو کیوں نہیں اس کا
سبب؟ کہنے لگا۔ بیج سے لے کر درخت بننے
تک اس کی پرورش کرتا رہتا ہوں۔ اب اسے
کیسے ڈبو دوں۔ انسان کا بچہ کس مصیبت سے
پیدا ہوتا۔ پلتا۔ بڑھتا۔ پھلتا اور پھولتا ہے
اُسے کچھ وہی جان سکتے ہیں۔ جن کا اکلوتا لڑکا
اُن کے سامنے قتل کر دیا جاوے۔ محض قومیت
کی دیوی کو خوش کرنے کے لئے روز روشن میں
قانون کو ہاتھ میں لے کر۔ نعرے لگا کر اور بہادری
اور شجاعت کا دعوی کر کے! افسوس آؤ پریم سے
پریتم کے درشن کریں۔ کیونکہ وہ پریم مورتی ہے
ہم کو پریم صرف سب منشوں سے ہی نہیں۔ بلکہ
پرانی ماتر (تمام جیووں) سے محبت کریں۔ اس
محبت کی شعاعیں جب ہمارے پاک دلوں سے
نکلینگی۔ دنیا میں ہمارا کوئی دشمن نہ رہیگا۔ کیا
آپ نے نہیں سُنا کہ جنگلی درندے و سانپ تک
ایسے رشیوں و فقیروں اور ایشور پیاروں کے
پریم کی شعاعوں میں بندھ کر رہ جاتے ہیں۔
اور کوئی بھی گزند نہیں پہنچاتے۔ سانپ پریم
کی بین سُن کر بل سے نکل کر ناچنے لگتا ہے
میٹھا راگ سن کر ہرن جنگلوں سے باہر آجاتا
ہے۔ سچ مچ ہم شیروں کو مار کر فتح نہیں
پا سکتے۔ بلکہ اُن کو پریم سے قابو کر کے ع

ے بڑے موذی کو مارا نفس امارا کو گر مارا
نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا

سرکس میں ہم دیکھتے ہیں - چوپائے اور جانور پریم کی نظر و چابک کے خوف سے کس طرح اشاروں میں حیرت انگیز کھیل کر ڈالتے ہیں - حالانکہ ہم اُن کو غیر ذی عقل کہتے ہیں - اِن ان لوگوں کی ہمت تو دیکھو کہ شیر بکری کو ایک گھاٹ پانی پلا کر دکھا دیتے ہیں - کیونکہ اُن کے دل میں اُن کے پریم کا جادو ہے - اور سامنے چابک کا خوف - اے انسان اشرف المخلوقات بن کر بھی تجھے خدا کے چابک کا خوف نہیں اور نہ ہی اُس کے پریم کے جادو کا پجاری ہے - آخر تیری انتہا کیا ہوگی - اپنی عاقبت کا فکر کر - گناہوں سے توبہ کر - اُس کے قہر کی نظر سے خوف کھا - اُس کا پریم دل میں پیدا کر - پھر چشمِ بینا سے اُسے دیکھ لے ؛

---

# ۶ - دھرم و مذہب کا بھید

موٹی بات یہ ہے - کہ دھرم وسیع ہے - جیسے سورج - زمین - چاند - پانی ہوا - سب

کے لئے ایک ہی ہے - اس لئے دھرم
بھی سب کے لئے ایک ہی ہے - اسے روز
ازل سے ہی پرماتما نے ذی عقل انسان کے
لئے بنا دیا تھا - اور ایسے قانون بنا دیئے
جو دیگر قوانین قدرت کی طرح اٹل ہیں - دھرم
بھی ہر حالت میں یکساں رہتا ہے - کبھی کسی
زمانے یا ملک میں تبدیل نہیں ہو سکتا - جیسے
دو اور دو چار ہی ہونگے - چاہے دنیا کے
کسی طبقہ میں چلے جاؤ - اس میں فرق نہیں
آئیگا - دھرم پرماتما کا بنایا ہوا ہے - اس لئے
یہ کبھی نا مکمل و قابل تبدیل نہیں ہو سکتا -
مذہب چند انسانوں کے نام پر بنائے گئے ہیں
اور قدرتی دھرم کے چند قوانین بھی اِن کے
ساتھ مِلا دیئے گئے ہیں - نیک پُرشوں نے
دھرم کی ویاکھیا یا تشریح خدا کی ہدایت پر
مختلف کتابوں میں مختلف زبانوں میں حسبِ ضرورت
کی - اُن کی نیت صاف تھی - مگر بمصداق ع

پیراں نمے پرند مُریداں ہمے پرانند

لوگوں نے اُن کی خلافِ منشا مختلف تاویلیں کر
کر کے مذاہب کے دائرہ کو دِن بدن تنگ کر
کے کئی فرقے بنا ڈالے - مذہب کا نتیجہ جدا کرنا
لڑائی جھگڑا - بد امنی و گمراہی بھی ہو سکتا ہے -
لیکن دھرم جو کہ ہر حالت و ہر مُلک میں یکساں

ہوگا - کسی انسان کی دست اندازی سے باہر ہے - اس لئے اِس کا نتیجہ ہر حالت میں امن - چین - شانتی - سُکھ - پریم و محبت ہی ہو سکتا ہے - اگر کوئی اِس کے برخلاف چلے گا - تو اُسے وقت پر ضرور سزا ملے گی - مثلاً آگ میں اُنگلی ڈالنے سے نتیجہ جلنا ہی ہوگا - دھرم صرف زبانی جمع خرچ کا نام نہیں - جب تک کہ کوئی آدمی دھرم کے اُصول و قواعد مقررہ پر عمل نہیں کرتا - وہ کبھی بھی پبلک یا خدا کے سامنے دھارمک - خدا پرست - بھگت یا فقیر نہیں کہلا سکتا - جھوٹ جھوٹ ہے - اور سچ سچ - سانچ کو آنچ نہیں - جھوٹ مکر فریب سو پردے پھاڑ کر ظاہر ہو جاتے ہیں - یہ بہت دیر تک انسان کو دھوکہ نہیں دے سکتے - ایماندار و دھارمک آدمی کی زبان - طرز - رفتار - گفتار اور اخلاق نرالا ہوگا - جس سے کوئی آدمی مُتاثر ہوئے بغیر رہ نہیں سکتا - اُس میں ایک مقناطیسی کشش پیدا ہو جائیگی - اُس کی زبان و آنکھوں میں مٹھاس و جلال ہوگا - اُس میں خدا کے سے اوصاف پیدا ہونے لگ جائینگے - وہ کسی قوم مذہب یا فرقہ سے غیریت نہ رکھیگا - برعکس اس کے مذہب صرف زبانی جمع خرچ کا نام ہے - اپنا نام آریہ رکھ لو - چاہے مسند عیبا ہوں

کبھی نہ کریں - ہندو رکھ لیں چاہے مندر کا کبھی مُنہ نہ دیکھیں - اپنے آپ کو مسلمان کہہ لو - چاہے نماز کبھی نہ پڑھو - روزہ نہ رکھو - کوئی اعمال کو نہیں پوچھتا - صرف کسی جھنڈے تلے آ جانے کو ہی کہتے ہیں - اپنا نام عیسائیت میں درج کرا لو - چاہے حضرت عیسٰی کی تعلیم پر عمل نہ کرو - گرجہ کا مُنہ ہی نہ دیکھو - سچ پوچھو مذاہب آج کل کی ایک پولیٹیکل فرقہ بندی ہی ہیں - ہر ایک آدمی مذہب کے بہانہ سے اپنی قوم کے شمار کو صرف اس غرض سے ہی بڑھانا چاہتا ہے - کہ پولیٹیکل حقوق ہم کو زیادہ مل سکیں - نیک تعلیم یا خدا کے خوف کی غرض سے نہیں - بلکہ خود غرضی کے لئے نتیجہ اس کا ہماری آنکھوں کے سامنے ہے - ہم روز و شب دیکھ رہے ہیں باہمی جنگ و جدل - ہندو مُسلمان میں - مُسلمان عیسائیوں میں - عیسائیوں و یہودیوں میں - سناتن سماج میں - قوم قوم میں - مُلک مُلک میں افترا پردازی - خود غرضی - جھوٹ - دغہ - فریب اور مکّاری ہی نظر آتی ہے - جس کا نام پولیٹیکل پالیسی (راج نیتی) رکھ کر بھولے بھالے لوگوں کو پھنسایا جاتا ہے - درحقیقت آج کل مذاہب کی دُنیا میں نہ تو شری رام و کرشن کی حکومت ہے - نہ حضرت عیسٰی - حضرت موسٰی یا حضرت محمدؐ کی اگر پرستش یا حکومت ہے

تو پولیٹیکل اغراض کی - اس لئے آج کل تمام دُنیا
کا عملی مذہب خود غرضی و پولیٹیکل چال ہی ہے -
اس کے پردہ میں تمام مذاہب بد نام ہو رہے
ہیں - مگر اس کا قدرتی نتیجہ بہت جلد ہی نکلنے والا
ہے - اور یہ اٹل ہے - یعنے جنگ و جدل سے
نفرت - خود مختار بادشاہوں سے بیزاری - مذاہب
سے کنارہ - آزادی کی خواہش - امیروں و دولت
مندوں سے مزدوروں کا جنگ - پارلیمنٹوں وحکومتوں
کی جلد جلد تبدیلیاں - سوشلزم - کمیونزم - بالشوازم کا
پیدا ہو جانا یہ سب باتیں بتا رہی ہیں کہ دنیا میں
جلد کوئی تبدیلی ہو کر رہے گی - وہ خدا کا ایک دھرم
جسے ازلی قانون قدرت کہنا چاہئے - اس کی جگہ
لینے والا ہے - دنیا میں صرف ایسے آدمیوں کی قدر
و عزت باقی رہتی چلی آئی اور رہ جائیگی - جو صرف
دھرم - اخلاق پر پابند ہیں - اور مذاہب کے تنگ
دائرہ سے باہر ہیں - جو بلا تفریق مذہب تمام دُنیا
کے آدمیوں میں پریم و محبت کا بیج بو رہے ہیں -
جنھوں نے اپنی عملی زندگی سے دکھا دیا کہ قدرتی دھرم
پر چلنے سے ایک معمولی انسان کس قدر ہردلعزیز
و نیک بن سکتا ہے - دُنیا ان کی طرف اور ان کے
اُصولوں کی طرف کھچی چلی آتی ہے - اور مذاہب سے
باہمی تعصب سے تنگ آ گئی ہے - جنھوں نے خدا
کے دھرم یا ایمان کو چھوٹے چھوٹے کمروں میں بند

کر کے ادنیٰ درجہ کی تنگدلی کا ثبوت دے رکھا ہے
اس سے دُنیا کے امن کا ستیاناس ہو گیا ہے۔ خدا
پرستی کافور ہو گئی ہے۔ غُربا و سفید پوش پامال ہو
گئے ہیں۔ امیروں و سرمایہ داروں کی چاندی ہو رہی
ہے۔ جنگ و جدل۔ فوجوں و ہتھیاروں کی روز افزوں ترقی
ہے۔ بد اعتمادی و ڈپلومیسی کا چرچا ہے۔ تمام قومیں
ماہی بے آب کی طرح اس بھڑکتی آگ سے نکلنے کے
لئے سر توڑ کوشش کر رہی ہیں۔ دُنیا کے کسی بھی
ملک میں امن و امان و شانتی ڈھونڈھنے سے بھی
نہیں مل سکتی۔ خدا کے نام لینے والے پرہیز
گار دُنیا سے کنارہ کش ہو کر الگ ڈیرا جمائے
بیٹھے ہیں۔ وہ دن جلد آنے کو ہے۔ جب کہ
یہ کالی گھٹا چھن بھن ہو جائے گی۔ پھر قدرتی قانون
کا سورج چمکیگا۔ اندھیرا کافور ہو جائیگا۔ چور ڈاکو
دغا باز از خود چمگادڑوں کی طرح چھپ جائینگے۔ یا
پکڑے جا کر کیفر کردار کو پہنچینگے۔ وہ اس سائنس و
تعلیم کے زمانہ میں دنیا کو زیادہ دیر تک اب
دھوکہ میں نہیں رکھ سکتے۔ وسیع الخیالی۔ روشن دماغی
لوگوں میں تعلیم و سائنس کی ترقی کے ساتھ ساتھ
لازمی طور پر آ رہی ہے۔ مثلاً امریکہ کے ایک گھرانہ
میں باپ عیسائی۔ بیٹا یہودی کچھ لڑکے تھیوسافیکل
سوسائٹی کے ممبر و چند لا مذہب تھے۔ ایک آدمی نے
پوچھا بھائی تم گذارہ کیسے کرتے ہو۔ کیسے امن سے

رہ سکتے ہو - جب اتنا اختلاف مذہب آپ میں
پایا جاتا ہے - خاندان کے نمائندہ نے جواب دیا
کہ مذہب کا سوال تو ہر ایک کا خدا سے تعلق
رکھتا ہے - جیسے جس کا جی چاہے آزادی ہے ہمیں
ہمیں کوئی اعتراض نہیں - البتہ ہمارا آپس میں سلوک
و محبت خاطر خواہ و تسلی بخش ہے - ٹھیک اُس نے
ترجمانی کی کیا ایسی حالت اب ہر ایک ملک و ہر ایک
گھر میں نہیں پائی جاتی - باپ سناتنی ہے - لڑکا آریہ
سماجی - عورت گرنتھ صاحب پڑھتی ہے یا باپ
مسلمان ہے - تو بیٹا احمدی - چچا وہابی ہے - باپ
ہندو ہے - تو بیٹا سکھ اور پھر بھی گذارہ محبت سے
چل ہی جاتا ہے - کیونکہ جس کا نام دھرم یا ایمان
ہے وہ تو خدا سے ایک عہد نامہ ہے - مگر ہم نے
غلطی سے چند سوشل و روحانی اصولوں کی کھچڑی بنا
کر کسی معتبر آدمی کی یادگار میں مذہب رکھدیا ہے -
اور اس کا ٹھپہ اپنی آنکھوں میں اس مضبوطی سے
لگا رکھا ہے کہ کسی دوسرے مذہب میں ہمیں کوئی
خوبی نظر ہی نہیں آسکتی - اپنے مذہب میں تو خوبیاں
ہی خوبیاں اور دوسرے میں برائیاں ہی برائیاں
نظر آتی ہیں - تعصب نے ہم کو اندھا کر دیا ہے -
ہمارے دلوں کو تنگ و تاریک کر رکھا ہے - یہاں
تک کہ خدا کا نام بھی اس میں داخل نہیں ہو سکتا
چند ظاہری قواعد و ضوابط کو محض دکھاوے کے

لئے ایک نمائش سی بنا رکھی ہے - چاہے دل میں دغہ مکر فریب ہو - ہمارے عملی جیون یا زندگی کو گویا مذہب سے کوئی سروکار ہی نہیں - گویا ٹانگے کے پیچھے گھوڑا لگا رکھا ہے - اور خدا تک پہنچنے کو سفر کاٹنا چاہتے ہیں +

# ۷- قوانین دھرم یا ایمان

جتنی دھرم کی باتیں ہیں - تمام مذاہب میں مشترکہ ہونگی - سب اِن کو پسند کرتے ہیں - کرتے تھے اور کرتے رہینگے - کیونکہ انسان کی فطرت قدرتاً ان سے مانوس ہے - یہ ایسے اٹل و قدرتی اُصول ہیں کہ ان کو جو نہ مانیگا - اُس کا مذہب یا ایمان کبھی ترقی کر ہی نہیں سکتا - وہ تو تاریکی کی گہری غار میں آج گرا یا کل - جیسا کہ ہم آج کل آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں - سچ بولنا خدا کو واحد لا شریک ماننا - اس کی قدرت کی تعریف کرنا - اور اُس سے مستفید ہونے کی کوشش کرنا - صفائی قلب و عمل و خیالات لوگوں سے ایسا سلوک کرنا - جیسے ہم آپ اپنے ساتھ چاہتے ہیں - باہمی انسانی محبت - خوفِ خدا - ہمدردی - عبادت و بندگی - سادگی و پاکیزگی خوراک و لباس - اتفاق رحم - اِنصاف - آزادی ضمیر - یگانگت و برادری وغیرہ یہ ایسی باتیں ہیں جو جس مذہب میں زیادہ پائی جاوینگی

وہ از خود ترقی کریگا - اُس کے رلئے گلے پھاڑ پھاڑ کر تقریریں - وعظ - لیکچر - مباحثے یا پروپاگنڈا و تبلیغ کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی - وہ تو مقناطیس کی طرح لوگوں کو اپنی طرف کھینچیگا - اُس مذہب کا ایک ایک آدمی ایک چلتا پھرتا سائین بورڈ یا اشتہار ہوگا - اُس آدمی کا جیون و عملی زندگی لیکچروں سے زیادہ مؤثر ہوگی - نیک آدمیوں کی ساری دُنیا کیوں تعریف کرتی ہے - کیا اُنہوں نے پروپاگنڈہ کیا - رشوت دی - اشتہار بانٹے - بحث و مباحثے کئے - صرف اپنے نیک اعمال و خیالات سے دُنیا پر جادو کر گئے - اور اب تک اُن کا نام چلا آتا ہے - افسوس جو کچھ ہماری آنکھوں کے سامنے آ رہا ہے ان امورات سے بھی ہم کوئی سبق نہیں لینا چاہتے - تعصّب کے اندھے نہ صرف اپنی زندگیوں کو گمراہ کر رہے ہیں - بلکہ مردان خدا کو غلط راستہ پر چلا کر دنیا کے امن کا ستیا ناس کر رہے ہیں - ہر ایک دِل و ضمیر جانتا ہے کہ سچا دھرم و ایمان کیا ہے - مگر خود غرض و دنیا کی جھوٹی تعریف کے نشہ میں بہے چلے جاتے ہیں - ایک لمحہ کے لئے ٹھہر کر غور کرنے کی فرصت نہیں کہ آخر اس کا نتیجہ کیا ہوگا - زبردست مُلک زیر دستوں کو دبائے چلے جاتے ہیں - سرمایہ دار غریبوں کا گلا گھونٹ رہے ہیں - جنگ و جدل کے

کے سامان روز افزوں ہیں - گویا مشین گنوں - ہوائی
جہازوں - بم کے گولوں و جنگی بیڑوں و تار بیڈو سے
دنیا میں امن قائم کر دینگے - ع

ایں خیال است و محال است و جنوں

اس کا نتیجہ دیوانہ پن - کنگالی و غریبی ہے - جو ہر
ملک میں عام طور پر دامن گیر ہوتی جاتی ہے - اب
دُنیا کی حکومت کے نمائندگوں کو ہوش آتی ہے - راستہ
صاف نظر آ رہا ہے - ہر ایک حکومت کو غیر مُسلح کرنے
کی تیاریاں ہیں - مگر پہلے اس پر کون چلے ؟ اس
میں بڑی اخلاقی جُرات کی ضرورت ہے - کیونکہ
باہمی بد اعتمادی و حرص ترقی پر ہے - دھرم کے
قوانین تو مرد عورت بچہ بوڑھا جوان ضعیف کمزور
سب کے لئے یکساں ہیں - اس کی نظر میں کوئی
غریب امیر راجہ سپہ سالار شاہ گماشتہ کی تمیز و تفریق
نہیں ہے - اس کا اُستاد قدرت ہے - جس کی
کتاب کا ورق ہر وقت ہمارے سامنے کُھلا ہے
جیسے جلسہ گاہ پر پہنچنے کے لئے جھنڈیاں رہنمائی
کا کام کرتی ہیں - یہ نظام شمسی - سُورج چاند تارے
دریا - پہاڑ - جنگلات - نباتات - حیوانات - جمادات
کے نظارے ہم کو علمی و عملی سبق روز و شب دے
رہے ہیں - ہم ان کو دیکھ کر وقت کی پابندی -
فرائض کی ادائیگی - دیانتداری - تابعداری - اتفاق -
باہمی امداد و کواپریشن - شانتی - حوصلہ - وسیع الخیالی -

پاکیزگی و صفائی کس کس بات کو ان سے نہیں
سیکھ سکتے - بشرطیکہ ہماری آنکھیں کھلی ہوں اور
تعصب کی عینکیں - دور پھینک دیں - خدا ہمارا سچا
باپ ہے - وہی ہماری پیاری ماں ہے - وہی
ہمارا سچا دوست و غمگسار ہے - اُس کا اور
صرف اُس کا ہی سہارا لینا سیکھیں - باقی
دُنیاوی تعلقات اور یہ دُنیا فانی ہے - کئی دفعہ
بگڑے گی - اور کئی دفعہ بنیگی - صرف خدا کا
رشتہ ہمارے ساتھ اٹوٹ ہے - صرف اُس
پر ہی اعتقاد و وشواس کیوں نہ کریں - دنیا
کے لوگوں کی دکانداری نرا فریب کا جال ہے
مذاہب کی جال مچھلیاں پکڑنے کا جال ہے -
پالیٹکس ایک آگ کی بھٹی ہے - دنیا کے رشتے
ناطے ایک عارضی بات ہیں - اصل میں ہمارے
اعمال ہیں - اور ہم اور ہمارا خدا اپنے ضمیر کی
آواز کو سُنو - اس کو دھوکہ نہ دو - خدا سے
ڈرو - یہ ہر جگہ موجود ہے - دُنیا سے پاپ کافور
ہو جائیگا - اس کا نتیجہ - امن - شانتی - صُلح ہے
خدا ترس آدمی کبھی پاپ نہیں کر سکتا - کیونکہ وہ
ایشور کو ہر جگہ حاضر ناظر دیکھتا ہے - ٹھیک اُن
دو چیلوں کی طرح جن کو گورو نے کسی اکیلی جگہ وہ کبوتر
مار ڈالنے کو دئیے - ایک جھاڑی کے پیچھے گردن
مروڑ کر لے آیا - دوسرا کہنے لگا - کوئی تنہائی کی

جگہ ہی نہیں مل سکتی۔ جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو۔
جدھر جاؤں اگر آدمی نہیں ملتا تو پرماتما تو ضرور
دیکھتا نظر آتا ہے۔ پھر میں اس جانور کو کیسے
مار ڈالوں۔ جب کہ اس کا کوئی قصور بھی نہیں۔
اور میں اس کو جب زندہ نہیں کر سکتا۔ مارنے
کا کہاں اختیار ہے۔ ایشور کو کیا جواب دونگا۔
جس نے اس کو بنایا ٭

## ۸۔ سوشل دھرم (مجلسی تعلقات)

قدرتی دھرم چند ایشوری قوانین ہیں۔ مگر
سوشل قواعد انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں۔
مذاہب کے ٹھیکہ داروں نے اِن کو کھچڑی بنا رکھا
ہے۔ قانون قدرت ہے۔ جہاں نر و مادہ کا تعلق ہوگا
وہاں نسل بڑھے گی۔ اگر باپ بیٹی اور بھائی بہن
کا بھی تعلق ہو جائے جیسا کہ شاذو نادر کوئی مکروہ
مثال اخباروں میں پڑھنے یا سُننے میں آ جاتی ہے
تو قانون قدرت تو نطفہ کے ٹھرانے میں مانع نہیں ہو
سکتا۔ البتہ سوسائٹی کی نظر میں یہ گناہ عظیم ہے۔
کیونکہ اس سے پاکیزگی۔ اُنس و شفقت قائم نہیں رہ
سکتی۔ اس لئے سوسائٹی نے قرار دیا کہ شادیاں بہتر
وُہی ہیں جو دُور دُور ہوں۔ اور ایسا ہی چاہئے
تھا۔ اب کس کس رشتہ دار میں باہمی تعلقات

شادی ہوں - کس کس قوم یا ذات میں ہوں
کس ذوق ہوں - اس کو ایک گورکھ دھندا بنا
لیا گیا ہے - کیونکہ کہیں لین دین - کہیں سوداگری
کہیں نمائش کی غرض سے ہم نے اس مسئلہ سادہ
کو اِس قدر پیچیدہ بنا دیا ہے - کہ دُنیا میں صرف
اسی سے ہی سبھی بُرائیاں پیدا ہو گئی ہیں - مثلاً
طلاق - بے جوڑ شادی - بچپن کی شادی - ذاتوں
کا پیچیدہ و تنگ دائرہ - خانہ داری میں مرد عورت
کا جھگڑا - جنگ جدل - بے چینی - بچہ کشی - خود کشی -
بردہ فروشی - بدمعاشی - ٹھگی - ودھواؤں پر ظلم - غیر
قدرتی برتھ کنٹرول ہزاروں خرابیاں اِس قانون کو نہ سمجھنے
سے پیدا ہو گئی ہیں - اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا ان
شادیوں سے تنگ آ گئی ہے - مرد شادی نہیں کرنا
چاہتے - عورتیں بچے نہیں پیدا کرنا چاہتیں - قانون
قدرت کا منشا تو یہ تھا کہ نر و مادہ بالغ ہوں - تندرست
ہوں - بہت قریبی رشتہ دار نہ ہوں - صرف اولاد کی
ہی خاطر سماگم کریں - اب اِن قوانین کی کھُلے دِل
سے ایک ایک کر کے بغاوت کی جا رہی ہے - بچپن
کی شادی کے روکنے کے لئے مسٹر شاردا کو بِل پاس
کرانے کی ضرورت پڑی - مگر پھر بھی تو عوام کی جہالت
و مخالفت نے اسے معطّل سا بنا رکھا ہے - بچپن کی
شادیاں بدستور ہوتی چلی جاتی ہیں - نتیجہ اس کا بیماری
کمزور بچے - تپ دق - بیواؤں میں ترقی کے سوا کچھ

ہو نہیں سکتا ۔ حیوانات کی نسل کشی ہیں تو انسان اس قدر ترقی کرتا جاتا ہے کہ اعلےٰ نسل کے گھوڑے گائیں بیل حاصل کرنے کے لئے کیا کیا نہیں کیا جاتا ۔ مگر افسوس اشرف المخلوقات کی نسل جو مخلوق کے لئے ایک نمونہ ہونی چاہئے تھی ۔ اتنے سائنس دان و فلاسفروں کے ہوتے ہوتے بھی بے توجہی و غفلت کا شکار ہو رہی ہے ۔ نباتات میں اعلےٰ و مختلف نسل کا پیوند لگانے سے ہم ادنےٰ پودے سے اعلےٰ پھل حاصل کر لیتے ہیں ۔ حیوانات میں بھی اعلےٰ نسل کا نر تلاش کرتے ہیں ۔ جو اصول نباتات وحیوانات میں عائد ہیں ۔ وہ انسانوں کی حالت میں مفید ہو سکتے ہیں ۔ اس لئے اس میں شک کی گنجایش نہیں رہتی کہ شادیاں دُور ہوں تا کہ مختلف آب و ہوا و مزاجوں کے ملنے سے بہتر اولاد پیدا ہو ۔ تعلیم یافتہ فرقوں میں اس کی از خود پیروی ہونے لگ گئی ہے اور اس میں ہی انسانوں کی بہتری نظر آتی ہے ۔ مگر اولاد کی خاطر مادہ سے ملنا تو انسانوں میں تقریباً مفقود ہی ہے ۔ موجودہ اولاد اتفاق کا نتیجہ ہے نہ کہ باقاعدہ تیاری کا ۔ گویا اس قانون کی مٹی خراب ہو رہی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ جتنی بیماریاں انسانوں میں پائی جاتی ہیں ۔ اُس سے عشر عشیر بھی تو نباتات وحیوانات میں نہیں ملتیں ۔ انسان کا بچہ مشکل سے پلتا ہے ۔ جتنی خواہش انسانی بچہ کی اُس نئی

تہذیب و سائنس کے زمانہ میں ہو رہی ہیں - حیرانی
ہے - کہ اس گناہ کا جدید سائنس کیا جواب دیگی -
برتھ کنٹرول کے جدید طریقے سوچے جا رہے ہیں -
عورتوں کو محض عیش پرستی کی مشین بنا دیا گیا
ہے - گرہست آشرم و خانہ داری کا پوری طرح
ستیاناس ہو چکا ہے - نہ اولاد سے محبت ہے -
اور نہ خاوند و بیوی اپنی ذمہ واریوں کو سمجھتے ہیں -
اس لئے گھروں میں دوزخ کا نمونہ نظر آتا ہے -
قتل و خون کی کثرت سے طلاق کے مقدموں کی بھر
مار ہے - انسانوں میں اندھے لولے - لنگڑے -
اپاہج - پاگل مریض بچے کیوں زیادہ پیدا ہونے لگ
گئے ہیں - حیوانات و نباتات میں ایسا کیوں نہیں
ہوتا - حیوانوں و پرندوں وغیرہ میں کیا مجال کہ
نر حاملہ مادہ کے پاس بھی پھٹکے نتیجہ یہ ہے - کہ
اُن کو نہ وضع حمل کے وقت تکلیف ہوتی ہے - اور
نہ ہی اولاد مریض و اعضا سے محروم پیدا ہوتی ہے
نہ اُن کو ڈاکٹروں کی ضرورت ہے - کیونکہ وہ اگرچہ
بے زبان ہیں - مگر قانون قدرت کے عادتاً پیروکار
ہیں - انسان اس بارے میں ذی عقل و اشرف المخلوقات
ہو کر حیوانات و نباتات سے بھی گر گیا ہے - کسی
بھی ملک کی موجودہ حالت کا مشاہدہ کرو - خانہ داری
سے لوگ بیزار نظر آتے ہیں - بد اخلاقی کے
تھیٹر تماشوں نے عشق بازی کے بازار کو گرم

کر رکھا ہے - اولاد کی ذمہ واری کوئی بھی لینے
کو تیار نہیں - معلوم ایسا ہوتا ہے - کہ ان
عقلمندوں نے دنیا کے خاتمہ کا ٹھیکہ لے رکھا
ہے - آج ملکوں میں اس بات کی ضرورت محسوس
کی جا رہی ہے - کہ شادی شدہ جوڑوں کے لئے
وظائف مقرر کئے جاویں - اولاد کے لئے الگ
الاؤنس ہوں - خدا کی قدرت انسان نے ذی عقل
ہو کر دنیا میں پرماتما کا شکریہ ادا کر کے عبادت
کر کے اپنی عاقبت کا سامان کرنا تھا - اور اس طرح
جنم مرن کے بندھنوں سے رہائی حاصل کرنی تھی -
وہ اپنی منزل مقصود بھول کر بد اخلاقی اور عیش
پرستی کے گہرے گڑھے میں گرتا چلا جاتا ہے - یہی
وجہ ہے - کہ دُنیا کے امن کی بنیادیں کھوکھلی ہو
چکی ہیں - اب ہر ایک ملک ایک دوسرے سے
لڑ مرنے کو تیار بیٹھا ہے - گویا اُن کے امن کو
پامال کرنا ہی اُن کی زندگی کا مُدعا تھا - افسوس کہ
کہ مذاہب بھی اس میں کچھ نہیں کر سکے - کیونکہ کوئی
گورنمنٹ جب کسی مجلسی خرابی کا انسداد کرنا چاہتی ہے
یہ مذاہب کے ٹھیکہ دار ایک مخالفت کا طوفان برپا
کر دیتے ہیں - اور مذہب میں دخل اندازی کا ایک
بے ہنگم شور الاپ کر ریفارمروں کا ناطقہ بند کر کے
رکھ دیتے ہیں - بعض عقل کے دشمن ایسے تاریک
و تنگ حلقوں میں بند ہو چکے ہیں کہ شادی کا

مسئلہ اب اُن کے لئے ایک مصیبت سے کم نہیں
اپنے حلقہ میں حسب مزاج جوڑے نہ مل سکنے سے
وہ تنگ دائرہ سے نکلنے کی بھی جرأت نہیں کر سکتے
اور اس طرح اس پاک رشتہ کی مٹی خراب کی جا رہی
کئی ہونہار جوان بغیر شادی ہی رہنے پر مجبور ہو
جاتے ہیں۔ اور بد معاشی میں اضافہ ہوتا ہے۔
اُدھر لڑکیاں حسب منشا جوڑوں کے نہ ملنے سے
بیزار ہو کر خودکشیاں کر رہی ہیں۔ بیواؤں میں
روز افزوں ترقی ہے۔ علاوہ ازیں لوگوں نے
خراب رسومات کے بھاری بھاری پتھر اپنی گردنوں
میں لٹکا رکھے ہیں۔ جو برادری و مذاہب کے جھوٹے
خوف سے اُتار ڈالنے کو بھی تیار نہیں۔ چاہے اُن
کی لڑکیاں مٹی کا تیل ڈال ڈال کر مرکیوں نہ
رہی ہوں۔ اُن کے برملا اعلان و نوٹسوں پر
بھی کوئی دھیان نہیں دیا جاتا۔ ایک سال سے
پندرہ سال اور پندرہ سال سے تیس سال تک
کی لاکھوں بے زبان بیواؤں کو شادی کی اجازت
نہ دینا اور پھر اُن کو ذلت۔ مصیبت و محتاجی
کی زندگی پر مجبور کرنا قانونِ قدرت کی صریح خلاف
ورزی ہے۔ اور اُن پر ایک ایسا ظلم ہے۔ کہ ان
کی سرد آہیں قوم کی بنیادوں کو کھوکھلا کر چکی ہیں۔
نتائج بد سے واقف ہو کر بھی سدھار کی رفتار از
حد سست ہے۔ گویا نہ ہونے کے برابر ہے۔ حیرانی

ہے ۔ کہ جو انسان سائنس کی ترقی میں اتنا سرگرم ہے ۔ تعلیم میں وہ اعلےٰ معراج کو پہنچ چکا ہے ۔ حکومت کے نشہ میں سرشار ہو کر اُسے انسانی مجلسی خرابیوں کا کوئی فکر ہی نہیں ۔ اِس کی مثال تو یُوں ہے ۔ کہ کوئی عالم فاضل ایک دیمک سے پڑ شاخ پر بیٹھ کر پالیٹکس کے مطالعہ میں سرگرم ہو ۔ چراغ تلے اندھیرا اِس کو کہتے ہیں ؛

# ۱ ۔ خوراک

جسم اور روح کو تندرستی سے قائم رکھنا اور زیادہ دیر تک جینے کے لئے ہمیں مناسب خوراک کی ضرورت ہے ۔ اب کیا کھانا چاہئے ۔ اور کیا نہیں اس میں آکر نسل اِنسان میں پھر تفاوت پڑ جاتا ہے ۔ مگر یہ سمجھ لینا چاہئے ۔ کہ قدرت نے ہمیں کیا مہیّا کیا ہے ۔ اِنسان ایک ذی عقل حیوان ہے ۔ اُسے ایشور کی دی ہوئی نعمتوں سے منتخب کرنی چاہئیں ۔ جن سے اس کا دماغ و جسم صحیح طور پر کام کر سکیں ۔ پھل ۔ پھُول ۔ سبزی ۔ ترکاری اناج ۔ دودھ ہر مُلک میں بہترین غذائیں گنی جاتی ہیں ۔ مگر جھگڑا اس بات پر ہے کہ گوشت کھایا جاوے یا نہیں ۔ کونسی چیز حرام ہے ۔ اور کون حلال شراب و مسکرات کا استعمال کیا جاوے یا نہ ۔ بس

ان باتوں سے تفریق شروع ہو گئی - اور یہی
کشت و خون کی بنیاد بن گئیں - کسی نے سؤر
کو حرام سمجھا - اور گائے کو حلال - کسی نے اس
کے برعکس - کوئی ذبح کر کے کھانا چاہتا ہے
کوئی جھٹکہ کر کے صرف یہی چند باتیں دُنیا کے
خرمن امن میں آگ لگانے کو کافی ہیں - کیونکہ شرارت
کے لئے ایک چنگاری کافی ہے - ایسا سب مانتے
ہیں - کہ گوشت کسی مذہب کی رُو سے کوئی لازمی
خوراک نہیں - اور پھر قدرت نے اس قدر نعمتیں
دی ہیں - کہ اس کے بغیر بھی ہم گذارہ تو بخوبی
کر سکتے ہیں - بشرطیکہ ہمارا مُدعا خوراک سے صرف
وہی ہو - جو قدرت نے قرار دیا ہے - یعنی جسم کی
پرورش و اس کا قیام - اب دیکھئے - گوشت کے
نہ کھانے سے بھی جسم قائم رہ سکتا ہے - اور
ڈاکٹروں کی مسلمہ رائے ہے کہ دماغ بھی صحیح طور
پر اس حالت میں ہی بہتر کام کر سکتا ہے - جسم
کی پرورش کے لئے گوشت کے مقابلہ میں کئی برابر
و بہترین غذائیں موجود ہیں - دنیا کا امن و باہمی
اُلفت و ہمدردی بنی نوع انسان میں ترقی کر
سکتی ہے - کیونکہ اختلاف کی جڑ ہی کٹ جائیگی - کیا
یہ کم نفع کا سودا ہے - کہ بنی آدم سے بھی دوستی
ہو - کسی معصوم جانور کا خون بھی نہ ہو - جسم بھی
بہتر - دماغ بھی روشن رہے - اور سب سے بڑھ کر

ہے کہ خدا بھی خوش ہو۔ مگر پھر بھی ہم کیوں
گوشت کھانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ صرف اس لئے
کہ ہم خدا کی مخالفت پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں۔
ہمارا مُدعا زبان کی چاشنی ہے۔ نہ کہ بھوک رفع
کرنا۔ ہمارا مُدعا محض عیش وعشرت ہے نہ کہ جسم و
قوائے سے منعقفہ کام لینا۔ بلکہ عیش پرستی میں کھوئی
ہوئی قوائے کو بحال کرنے کے لئے ہم نے یہ وہم
سا بنا رکھا ہے کہ گوشت ایک ضروری خوراک ہے۔
چاہے متعدد ڈاکٹروں کے فیصلے اس کے برخلاف
ہی کیوں نہ ہوں۔ کہیں آب و ہوا کے بہانہ سے
کہیں بیماری کے علاج کے حیلہ سے۔ کہیں قربانی
کا نام دے کر۔ کہیں یہ مسٔلہ سامنے رکھ کر کہ گویا
سارے جاندار۔ انسان ہی کے لئے بنے ہیں۔
اس کے کھانے کا راستہ نکال ہی لیا گیا۔ یہاں
تک کہ شادیوں میں محفلوں میں۔ تیوہاروں میں
اگر گوشت نہ ہو تو دنیا کے لذیذ و بہترین کھانے
بھی بد مزا معلوم ہوتے ہیں۔ اور اس حرص میں
شاید ہی کوئی پرند و چرند چھوٹ گیا ہو۔
حشرات الارض تک پر بھی بعض مُلکوں میں ہاتھ صاف
کیا گیا۔ البتہ درندے بچ نکلے۔ کیونکہ گوشت
خوری کے سبب اُن کے جسم سے عفونت اُٹھتی
ضرور نظر آگئی۔ یاد رکھئے پاکیزگی۔ صفائی و سادگی
خوراک کے لئے لازمی امورات ہیں۔ اگر ان کو ملحوظ

خاطر رکھا جاوے - تو گوشت کے نزدیک بھی ہم نہ
بھٹکیں - یہ بات اب پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے
کہ اس سے انسان میں درندگی و خونخواری پیدا ہو
کر جذبات انسانی کو ٹھیس لگتی ہے - قوائے کو قابو
رکھنے کی طاقت بھی گھٹ جاتی ہے - جسم کی
پرورش بھی چنداں نہیں ہوتی - سبزی خور جانور ہاتھی
کو دیکھ لو - جس پر چڑھ کر درندوں کے بادشاہ
شیر کا شکار کیا جاتا ہے - دونو کے جسموں کا بھی
مقابلہ نظر کے سامنے ہی ہے - کسی جانور کے ذبح
ہونے کے نظارے کو آنکھیں برداشت نہیں کر
سکتیں - جب تک کہ زبردستی سے عادی نہ کر دی
گئی ہوں - لٹکی ہوئی لاشیں دیکھ کر طبیعت کسی کی
بھی خوش نہیں ہو سکتی - جب تک کہ اسے مجبور نہ
کر دیں - ناک و زبان اس کی بُو و ذائقہ کو
برداشت نہیں کر سکتے - جب تک کہ اس کی کافی
مشق نہ کر لیں - معدہ اس کو جلدی ہضم نہیں کر
سکتا - اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کا کھانا
خطرہ سے خالی نہیں - کیونکہ یہ عین ممکن ہے -
کہ گوشت کسی ممنوع یا بیمار جانور کا ہی ہو - یا
جراثیم سے پُر ہو - انسان سبزی ترکاری پھل پھول
سے قدرتاً مانوس ہے - ایک معصوم بچہ کے سامنے
گوشت کی رکابی و پھل سبزی ترکاری رکھدو - پھر
دیکھو کسے پسند کرتا ہے - اور کسے خوشی سے منتخب

کرنا ہے۔ قدرت نے صحیح خوراک کے انتخاب کے لئے
حواس خمسہ کی پہلے ہی ایک پنچائت مقررہ کر رکھی ہے
ان سب کا فیصلہ گوشت کے لئے قطعاً برعکس ہے
پرہیزگار و عابد لوگ اس سے ہمیشہ متنفر رہے۔
کیونکہ اس سے بندگی نفس کشی و ریاضت میں خلل
پڑتا ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ کسی شخص نے اپنے نوکر
کو بازار سے عمدہ گوشت لانے کو کہا۔ کیونکہ
اُس نے دعوت کر رکھی تھی۔ وہ نہ صرف گوشت
ہی لے آیا۔ بلکہ شراب۔ طوائف۔ جواری و کفن
بھی لیتا آیا۔ آقا کی حیرانی پر اُس نے یوں تشریح
کی۔ کہ گوشت کھانے سے آپ کو شراب کی ترغیب
لازمی ہوگی۔ شراب سے گانا بجانا و عیش و عشرت
اور پھر اس عیش کو زندہ رکھنے کے لئے تحصیل
دولت کا سہل ذریعہ۔ جُوا اور پھر جوئے سے باہمی
عناد و دنگہ فساد اور اس سے کشت و خون اور آخر
میں کفن ہی کی حاجت باقی رہ جائیگی۔ اس لئے
سب ہی سامان حاضر ہے۔ اس بھیانک تشریح کو
سن کر اُس نے تمام چیزیں واپس کر دیں۔ سُنتے
ہیں۔ کہ مرد خدا بن گیا اور عمر بھی زیادہ پائی۔ یہی
حالت مُسکرات کی سمجھ لو۔ تمام مذاہب نے ان
کے خلاف متفقہ فیصلہ دے رکھا ہے۔ مگر پھر
بھی دُنیا بھر کی ایک تہائی دولت صرف ان ہی پر
خرچ ہو رہی ہے۔ کیونکہ مذہب تو صرف زبانی

جمع خرچ کا نام ہے - مذاہب ایسے آدمیوں کو اپنے حلقہ سے خارج نہیں کرتے - کیونکہ اُنہیں تو دولوٹوں کی ضرورت ہے - اس لئے یہ برائی روز افزوں ترقی پر ہے - امریکہ نے قدم بڑھایا تھا - کہ شراب کی درآمد کو بند کر دیا - مگر سُنتے ہیں کہ وہاں بھی پھر بوتلیں آنے والی ہیں - کوئی مُلک و شہر نہیں جہاں ٹمپرنس سوسائٹیاں نہ ہوں اب پُوچھئے مذاہب کے ہوتے ہوئے اِن کی ضرورت ہی کیا تھی - پھر وہ بھی تو نہیں روک سکیں - قانون بھی نہ روک سکا - کیونکہ قانون تو کثرت رائے کے ہاتھ میں ہے - چاہے ان کا فیصلہ غلط ہی کیوں نہ ہو - آج اس اصُول کی حکومت ہے - کہ جھوٹ کو سچ کہنے والے اگر تعداد میں زیادہ ہوں تو اُسے سچ آپ کو ماننا ہی پڑے گا - مگر قانون قدرت یہ ہے کہ سچائی سچائی ہے - چاہے ساری دُنیا ایک طرف ہو اور ایک سچا آدمی ایک طرف اور فتح آخر سچائی ہی کی ہوگی - اگر قانون قدرت کا ڈنڈا بھاری نہ ہوتا تو حضرت محمدؐ - حضرت عیسٰی - مہاتما بُدھ - سوامی شنکر اچاریہ - رشی دیانند - گورو نانک وغیرہ کی کون سُنتا - مگر سُن سُن کر بھی تو آدمی بھُول جانے کا عادی ہو گیا ہے - ان کو تو ہر سال کے بعد ایک نیا پیغمبر و نیا ہادی چاہئے - کیونکہ اب تو شہریں - گاؤں میں - بازار

میں باغ میں۔سڑک پر۔ گلی میں۔ہر جگہ بد اخلاقی
عیش پرستی۔ جھوٹ۔ مکر فریب کی براہ راست
تعلیم ملتی ہے۔ مردِ میدان خوش قِسمت ہیں۔ وہ
لوگ جو اس قدر بدیوں کا مقابلہ کرکے بچ نکلے۔
دُنیا کے فساد مٹانے کے لئے فی الحال لوگ اتنی
بھی تو قربانی کرنے کو تیّار معلوم نہیں ہوتے۔ کہ
جن جانوروں پہ جھگڑے وآئے دن کشت و خون
ہوتے ہیں۔ اُن کو سرے سے ہی چھوڑ دیں۔
رچاہے حرام نہ ہی سمجھیں) مگر نہیں چاہتے۔ معمولی
کسی بات پر ہزاروں نہیں لاکھوں قیمتی اِنسانی جانوں
و جائدادوں کا نقصان کیوں نہ ہو جائے۔ سب
اپنی اپنی بات پر اڑے ہیں۔اور یہ جانتے
ہوئے کہ نقصان اس میں سب ہی کا ہو رہا ہے
اور فائدہ ایک پیسے کا بھی نہیں۔پُرانی لکیر پیٹتے
جاتے ہیں۔ کیا یہ اُلٹی عقل تو نہیں۔اور پھر اس
قدر جانوروں کے کشت و خون سے مُلک کو جس قدر
مجموعی طور پر اقتصادی نقصان ہو رہا ہے۔ وہ
ایک طرف رہا اور پھر ان بے زبان جانوروں کیلئے جو
محض زبان ہی کی چاشنی کے لئے بے قصور قتل
کئے جا رہے ہیں۔جواب دعوے بھی تیار رکھئے۔
کیونکہ آخر ایک دِن پرسش تو ہوگی ہی۔ جیسا
بوؤگے۔ ویسا کاٹوگے۔ قانون قدرت کو آپ بدل
نہیں سکتے۔ اور خدا کو آپ دھوکا نہیں دے سکتے

کہتے ہیں - اس دنیا میں مردم خور قومیں بھی تھیں
مگر وہ جلدی کیوں مٹ گئیں - کیونکہ انسان کو خود
غرضی کے سبب ہرگز گوارہ نہ تھی - جھٹ قانون
بنا دئے گئے اور مردم خوری جلدی ہی بند ہو گئی
مگر کیا یہ انصاف ہے - ع -

ہر چہ بر خود پسندی بر دیگراں پسند

لطف یہ کہ مقدس مقامات کے نزدیک جا کر
گوشت سب کے لئے حرام ہو جاتا ہے - کیونکہ وہاں
پاکیزگی کی ضرورت بتاتے ہیں - گویا روزانہ زندگی میں
عبادت و بھگتی وغیرہ غیر پاکیزگی سے بھی ہو سکتی
ہے ؟ چہ خوب ! وہ اصول ہی کیا وہ دھرم ہی
کیا - جو قدم قدم پر بدلنے والا ہو - اور وہ بھی
محض اپنی ہی مرضی سے اور خود غرضی کے لئے ؎

اے کبوترِ بامِ حرم تو چہ دانی طپیدنِ دلِ مرغِ نیم بسمل را

## ۲ - لباس

دنیا کے کثیر حصہ میں - لباس میں یکسانیت
آ گئی ہے - کیونکہ خیالات کے ساتھ اس کا گہرا
تعلق ہے - نہ صرف ہندوستان یا اس کے
نواحین چند ممالک ہی ہیں جن کا باوا آدم نرالا
ہے - ایک ظریف نے خوب کہا - کہ پشاور سے
چلو - آپ کو پگڑیاں و بھاری کلاہ نظر آوینگے -
د بھاری بل دار سلواریں ملیں گی - لاہور میں آ کر

پگڑیاں و سادہ سلواریں و پاجامے ہی رہ گئے یو۔ پی میں ہلکی ٹوپیاں۔ چوڑی دار پاجامے۔ بنگال میں سر ننگے اور دھوتیاں۔ مدراس میں جاؤ۔ تو سر کے بال ہی صفاچٹ ہیں۔ ہندوستان دُنیا میں چُوں چُو کا مُرّبہ یا چڑیا گھر ہی ہے۔ جتنی زبانیں۔ جتنے مذہب۔ جتنے فرقے اور پھر فرقوں میں جس قدر لڑائی جھگڑے کشت و خون یہاں پائے جاتے ہیں۔ شاید ہی دنیا کے کسی دوسرے ملک میں دیکھنے میں آویں اس کا خمیازہ بھی بھگت رہتے ہیں۔ مگر پھر ڈھاک کے تین پات۔ تعلیم یافتہ سوسائٹیاں تو یوروپین طرز کو اختیار کر چکی ہیں۔ اور کر رہی ہیں۔ مگر مذاہب کے رہنما ادھر بھی ترچھی نگاہوں ہی سے دیکھتے جاتے ہیں۔ گویا لباس پر بھی فتوے تیار ہیں۔ مگر کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ لباس ہی سے نیک فال شروع ہونے والی ہے۔ کیونکہ جملہ مذاہب کے اعلیٰ سوسائٹیوں میں لے دے کر اگر کوئی تسلّی کی بات نظر آتی ہے تو یہی لباس ہی کی یکسانیت ہے۔ شکر کرنا چاہئیے سرکار کا۔ جس نے لباس کی ترویج میں ایک صحیح نمونہ سب کے سامنے رکھا۔ کئی متعصب تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ دیکھو انگریز ہندوستان میں آ کر بھی اپنا لباس نہیں چھوڑتے۔ بھلا ہم کیوں بدل دیں؟ ان عقلمندوں سے کوئی پوچھے۔ انگریزوں نے کوٹ

پتلون کو کہاں رجسٹرڈ کرایا تھا ؟ یہ تو جاپان
روس - جرمنی - فرانس - امریکہ - ٹرکی سب ممالک
کا لباس ہو چکا ہے - اور اب تو کابل و فارس
و عرب جیسے پس افتادہ ملکوں میں بھی رواج
پانے لگا ہے - شروع شروع میں انگریزوں کا لباس
بھی تو کوٹ پتلون تھوڑا ہی تھا - یہ بھی مرحلے طے
کر کے موجودہ صورت میں آیا - جب آپ پرانے
گڈے - چھکڑے پھینک پھینک کر سائیکلوں - موٹروں
و ہوائی جہازوں پر چڑھنے لگے ہیں تو حضرت
لباس ہی کی تبدیلی میں کیا عار باقی رہ گئی ہے
ذرا اس میں ہی تو سب دنیا کی برادری میں برابر
ہو کر بیٹھو - ممکن ہے - اس سے ہی خیالات
میں بھی شاید کشادگی آجاوے - ضرور آئے گی
اور آ بھی رہی ہے - خدا وہ دن جلد لاوے
جب کوٹ پتلون و ہیٹ میں تمام مذاہب کے
اختلافات غرق ہو جاویں - اور یہ تمیز ہی نہ ہو
سکے کہ یہ ہندو ہے - وہ مسلم - یہ عیسائی - کچھ
اختلافات و دنگہ فساد و کشت و خون تو یقیناً اس
سے ہی گھٹ جائے گا - ان مذاہب کے ظاہری
نشانات نے بھی تو تعصب کو بھڑکا رکھا ہے -
اس لئے ان کو ہٹا دینا ہی بہتر ہے اور اس
میں ہی ترقی کا راز مضمر ہے - سوامی رام تیرتھ
جی جب امریکہ گئے اُنہوں نے بھی وہاں کا لباس

دھارن کر لیا تھا - حالانکہ مذہبی فقیر تھے - البتہ سر پر پگڑی رکھتے تھے - یہاں بھی ہم پگڑی یا ہیٹ یا ٹوپی پہن سکتے ہیں - باقی لباس سے تو نفرت جاتی رہے گی - بعض دفعہ فسادات میں بھی متعصب لوگ دوسری قوم کا لباس پہن کر جان بچا لیتے ہیں - مگر افسوس جس لباس نے جان بچائی چند منٹ کے بعد پھر اُسے نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگ جاتے ہیں - آخر مکر و فریب کی بھی کوئی حد ہونی چاہیئے - البتہ اپنے گھر میں جو چاہو پہن لو - مگر سوسائیٹی کو ایک لڑی میں پرونے کے لئے ایک ہی لباس کی از حد ضرورت ہے جس سے کسی مذہبی تنگدلی کا نشان نہ ہو - کیونکہ یہ گھر کی چار دیواری میں ہی بند رکھئے ؛

# ۳ - زبان و تہذیب

دُنیا کی زبانوں میں اختلاف بہت پایا جاتا ہے مگر نہ اِتنا جتنا ہندوستان میں یہاں تو ہر صوبہ میں نہیں نہیں - ہر ضلع میں ہی بولی تبدیل ہوتی جاتی ہے - ایک پنجاب ہی کو دیکھ لو - پانچ دو آبے ہیں - اور پانچوں کی بولیوں میں نمایاں فرق ہے - شکر ہے خدا کا کہ انگلش گورنمنٹ کے آنے سے انگریزی زبان کو عام تعلیم یافتہ

آدمیوں نے اپنا لیا ہے - اور اِتنا سہارا ہو گیا ہے - کہ ہندوستان کے کِسی گوشہ میں چلے جاویں - اس سے کام چل نِکلتا ہے - اس سے پہلے مغل بادشاہوں کے وقت فارسی بھی کام دیتی ہوگی - مگر اس مُلک کی اپنی زبان یعنی ورنیکلر کیسے مانیں - اس پر بھی آئے دِن جھگڑے ہوتے رہتے ہیں - مسلمان بھائیوں کا تقاضہ ہے کہ اُردو بہتر ہے - ہندو ہندی بھاشہ پر زور دیتے ہیں - اور سکھ پنجابی پر مگر جب ہر صوبہ میں اپنی اپنی ورنیکلر جُدا جُدا ہو - مثلاً بنگال میں بنگالی - اُڑیسہ میں اُڑیا بمبئی میں مرہٹی راجپوتانہ میں مارواڑی وغیرہ تو یہ مسئلہ اور پیچیدہ ہو جاتا ہے - ہندوؤں کا دعویٰ ہے کہ ہندی بھاشہ تقریباً تمام صوبوں میں سمجھی جا سکتی ہے - کسی حد تک یہ دعویٰ دُرست بھی ہے - کیونکہ ہندی بھاشہ ہی ہے - جو در حقیقت اُردو کی ماں ہے - ہندی بھاشہ کو ہندوستانی ہی کہنا چاہئے - کیونکہ اُردو فارسی انگریزی کے بہت سے مروّج الفاظ بھی اب اس میں شامل ہو گئے ہیں - اُردو زیادہ تو ابھی پنجاب - کچھ حصہ یو - پی و حیدر آباد میں ہی ہر دلعزیزی حاصل کر سکی ہے - اصل میں اُردو میں اس قدر الفاظ ہندی کے شامل ہو رہے ہیں - اور ہندی میں اُردو فارسی انگریزی کے

کہ کچھ عرصہ تک اُردو ہندی میں کچھ بھی فرق نہ رہے جائیگا ۔ صرف رسم الخط ہی کا بھید ہوگا اب بھی اگر آپ ہندی بھاشہ کے اخبار جو اُردو رسم الخط میں نکلتے ہیں ۔ مثلاً آریہ سماج کا ہفتہ واری 'پرکاش' کا مطالعہ کریں تو اِسے اُردو دان بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے ۔ اور اُردو پڑھا ہوا ہندی خواں تو بخوبی پڑھ ہی لیتا ہے ۔ باقی صوبوں میں بھی اپنی اپنی درنیکلر کو لوگ قربان کرتے نظر نہیں آتے معلوم ہوتے ۔ مگر مُلک کے اتفاق و بہتری کا تقاضا یہی ہے کہ ایک ہی زبان ہونی چاہئیے ۔ چاہے گذارہ کے لئے انگریزی ہی سہی ۔ مگر مُلکی زبان ہندوستانی ہی ہوگی ۔ چاہے رسم الخط رومن ہی میں کیوں نہ ہو ۔ کلام الملک ۔ ملک الکلام سوراجیہ مل جانے پر بھی انگریزی زبان کو فروغ تو رہیگا ہی ۔ تعلیم کے پھیلنے کے ساتھ ساتھ باہمی کاروبار کے لئے از خود یہ مشترکہ زبان بن رہی ہے ۔ کئی دُنیا کے تہا پرش اس کوشش میں بھی ہیں کہ ساری دنیا کی ہی ایک زبان ہونی چاہئیے ۔ کیا ہی مبارک خیال ہے ۔ خدا وہ دِن جلد دکھاوے ۔ اس سے ایک بڑی بھاری تبدیلی واقع ہوگی ۔ اور سُنا ہے کہ ساری دُنیا کے لئے کیلنڈر بھی ایک ہی بننے والا ہے ۔ سال کے تیرہ ماہ بنا کر ہر ایک ماہ کے 28 دن ہونگے ۔ ہر سال کے

نئے کیلنڈر کا جھگڑا ہی ختم ہو جائے گا - یہ بھی
بہت اچھی بات ہے - روشن خیالی و عالی دماغی
اس کا نام ہے کہ جلد از جلد کوئی ایسی تدابیر
اختیار کی جاویں - کہ ساری دنیا کے لوگ باہمی
ربط ضبط سے یہ محسوس کریں کہ ع

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند

جتنا جلدی یہ کام ہوگا دُنیا کے اختلاف و جھگڑے
از خود ختم ہو نگے - مگر اس کی تہ میں بھی دیری کے
لئے ذمہ دار وُہی ہماری تنگ دلی ہی ہے -
کئی لوگوں نے زبان کو مذہب اور مُلک کے ساتھ
ایسا وابستہ کر لیا ہے کہ اپنی بولی چھوڑنے کو تیار
نہیں - اس میں اپنے مُلک و مذہب کی ہتک
سمجھتے ہیں - مگر یہ سب کہنے ہی کی باتیں ہیں -
عملی طور پر اپنی ماتری بھاشہ یا مُلک کے لئے کس
قدر قربانی کرنے کو تیار ہیں - وُہ اعداد و شمار
سے ہی دیکھ لو - سکولوں میں پھر جاؤ - عربی خواں
و سنسکرت و ہندی خواں طلبہ کی تعداد اُنگلیوں پر
گن سکتے ہیں - حالانکہ سرکار نے الگ ٹیچر ان کے
لئے مقرر کر رکھے ہیں - وہی انگریزی و عام اُردو
ہی مقبول ہو رہی ہیں - وجہ صاف ہے کہ تلاشِ
روزگار و عام کاروبار سرکاری یا نجی میں یہی عام
طور پر مُروج ہیں - بھلا جب یہ حال ہے - تو
کوئی وجہ نہیں کہ فراخدلی کا اظہار نہ کیا جاوے

بے شک ہر کوئی اپنے گھر و اپنے حلقۂ مذہب میں
اپنی بھاشا کا استعمال کرے اور مذہبی کتابیں پڑھے
اور پرائیویٹ کاروبار میں بھی ان کا استعمال کرے۔
کوئی اُن کو روک نہیں سکتا۔ مگر مشترکہ ترقی میں
روڑا کیوں اٹکایا جاوے۔ خصوصاً جب کہ ہمارا
طرزِ عمل بھی اس کی تائید پر ہو۔ آج کل ۹۰ فی
صدی سے زیادہ آدمیوں کی یہی تمنّا ہے۔ کہ اُن
کی اولاد گریجویٹ بن کر ملازمت میں لگ جاوے
جب مُلک کی دماغی حالت کا یہی حال ہو۔ وہاں ماتری
بھاشا یا ورنیکلر کے لئے جد و جہد فضول معلوم
دیتی ہے۔ دنیا کو زبان لباس رسم رسوم میں رل
جانے دو۔ آپس کے ربط ضبط سے یقیناً بہتر نتائج
ہی نکلیں گے۔ کسی صوبہ میں جا کر اعلےٰ سوسائٹی
میں اور تعلیم یافتہ آدمیوں میں رلو جُلو آپ کو
معلوم ہوگا۔ کہ اُن کی خط و کتابت انگریزی میں
ہے۔ مطالعہ اُن کا زیادہ تر انگریزی کتابوں و
اخباروں ہی کا ہوتا ہے۔ لباس و طرز اطوار
انگلش ہوتے جاتے ہیں۔ در حقیقت یتھا راجہ تتھا
پرجہ کسی کا بس چل ہی نہیں سکتا کہ اِس رَو
کو روک سکے۔ مثلاً انگلش بول چال۔ لباس۔
پردے کا ہٹتے جانا۔ آزادیٔ خیالات۔ انگلش
کھیلیں مرد عورتوں بچّوں تک میں مقبول ہو رہی
ہیں۔ باوجود نداہب کی مخالفت کے یہ باتیں انگلش

تعلیم و عام میل جول کے ساتھ گھر کرتی جاتی ہیں - ہم تو خیر انگریزوں کے ماتحت ہی سہی - مگر خود مختار ممالک میں بھی یہی حال ہے اب افغانستان - ٹرکی - فارس و جاپان کو کس نے مجبور کیا ہے کہ لباس طرز اطوار آزادی پردہ و رہائش کو یک لخت یوروپین بنا دیویں کیا تبدیلی سے ان ممالک میں حیرت انگیز ترقی نہیں ہو رہی ہے - اور کیا وہ یوروپین حکمران اقوام کے پہلو بہ پہلو اب نہیں چل رہے - یہی راستہ ہندوستان کے لئے ہے - سوراجیہ کے آتے ہی تعلیم عام ہو جائیگی - روشن خیالی کے ہوتے ہی تنگ دلی اُڑ جائے گی - آپس میں محبت بڑھے گی - طرز اطوار - زبان - لباس - تہذیب میں از خود تبدیلیاں ہونے لگیں گی - اور تھوڑے ہی عرصہ میں صحیح راستہ پر جانے سے دس سال میں ایسی ترقی کر سکتے ہیں - جو بصورت دیگر سو سال میں بھی ممکن نہیں - جاپان نے چوتھائی صدی میں اس قدر ترقی کر لی ہے کہ اس کی شکل نہیں پہچانی جاتی - ہر میدان میں خیالات میں - تجارت میں - صنعت و حرفت میں ہر بات میں دنیا کی مشہور اقوام کی صف اول میں کھڑا ہے اور بجا طور پر مشرقی گریٹ برٹن کہلانے لگا ہے - رُوس نے ابھی پہلو بدلا

مگر حیرت انگیز ترقی کر لی ہے - چین نے ابھی ہوش سمبھالی ہے اور قوم پرست پارٹی نے بھاری ترقی کی ہے - اب ہندوستان و مصر کی باری ہے - یہ بھی اپنے اختلافات سمیٹ کر جو محض معمولی اور خود غرضی پر مبنی ہیں - ترقی کے راستے میں گامزن ہو کر دُنیا کی ہمسایہ قوموں کے قدم بہ قدم چل سکتے ہیں ؞

## ۴- رسم و رواج و تمدن

اِس کنگال مُلک میں ایک رسم و رواج کا بھی بھاری پتھر لوگوں کے گلے پڑا ہے - جو بیسوں ریفارمروں کے آنے پر بھی نہیں اُتر سکا- بنئے کی کمائی مکان یا بیاہ نے کھائی تو سنتے ہی تھے - مگر افغان -مغل - کھتری - راجہ سپاہی - امیر غریب سب کا اب ایک ہی حال ہے - اپنی برادری میں ناک رکھوانے کے لئے بھاری سے بھاری مالی قربانی کرنے کو تیار رہتے ہیں - چاہے اس کے لئے جائدادیں بک جاویں - مکانات گروی پڑ جاویں مگر یہ ناک سمبھال کر رکھنے کے لائق ہے - یہ ایسی بیماری ہے - جو ہندوستانیوں کو گھُن کی طرح اندر کھائے جاتی ہے - ابھی تجارت کی سرد بازاری میں ہر ایک شہر میں کس قدر سیٹھ ساہوکاروں کا دیوالیہ نکل گیا - اور کتنے ابھی دیوالیہ کی تیاری

ہیں ہیں ۔ یہ ایک زرعی ملک ہے ۔ بدقسمتی سے
اس کی تجارت ۔ صنعت حرفت پر باقی دنیا کی
اقوام کا قبضہ ہے ۔ اس کے سُدھرنے میں
کافی وقت چاہیئے ۔ کہتے ہیں ۔ کسی وقت یہاں بھی
تجارت و صنعت کا کمال تھا ۔ مگر ہم تو اب
زمانۂ حال کی بات کرتے ہیں ۔ تمام پیداوار
خام غیر ملکوں کو جا رہی ہے ۔ اور ہماری ۹۵
فی صدی ضروریات باہر سے ہی آتی ہیں ۔ جب
یہ حال ہو تو ملک کی غریبی کے لئے یہ
سامان کیا کم ہیں ۔ اس لئے تو سونے کی چڑیا
اب فاقہ مستی کی اُونگھ لے رہی ہے ۔ شہروں
قصبوں ۔ بستیوں میں جہاں کہیں جا کر دیکھو
ضروریات زندگی دِن بدن بڑھتی ہی چلی جاتی
ہیں ۔ مگر آمدنی بھی ساتھ ساتھ گھٹ رہی
ہے ۔ آخر اس کا نتیجہ بھی سامنے ہے ۔ مُلک
دِن بدن کنگال ہوگا اور ہوتا جا رہا ہے ۔ مگر
اس پر بھی جب کسی متوسط گھرانہ ہی کی
شادی بیاہ و رسم رسوم کو دیکھو تو عقل حیران
رہ جاتی ہے ۔ کہ اس قدر فضول خرچی اس
قدر نمائش آخر کس لئے کیا یہ اپنی ہی تباہی
کے سامان نہیں ۔ ہم نے ہندوستان میں بڑے
بڑے گورنروں کی لڑکیاں و لڑکوں کی شادیوں
کے حالات بھی اخباروں میں پڑھے اور معمولی

انگریزوں کا تو کہنا ہی کیا - سب میں یکسانیت
پائی جاتی ہے - گرجا میں گئے - شادی ہو گئی -
لوگوں کو ایک دعوت دے دی اور معاملہ ختم
باقی رسومات کا تو ہم ذکر ہی کم سنتے ہیں -
کب ہوئیں - کیسے ہوئیں - مگر وہ بھی تو دنیا میں ہی
رہتے ہیں - اور بڑی شان و شوکت سے جی رہے
ہیں - اُن کی ناک بھی ہماری ناک سے زیادہ عزت
رکھتی ہے - بڑا آدمی اس سادہ سی رسم میں بُرا
نہیں مانتا - چھوٹا آدمی محض اسے رسم سے زیادہ
فوقیت دینے کو تیار نہیں - مگر اِدھر ہمارا کیا حال
ہے - ڈوم - میراسی - بھاٹ - کمین - بھانڈ - نٹ
طوائف - قوال - آتش باز خدا جانے کتنے ہی
آدمیوں کا محض یہ پیشہ ہے کہ بیہودہ رسم
رسوم و فضول خرچی کے لنگر کے پنشن خوار ہیں
اور پشتہا پُشت سے ایسے چلے آتے ہیں - اس
لئے کسی اور مفید پیشہ کو اختیار بھی نہیں کرتے
آخر کریں بھی کیوں - جب کہ چند ہی یوم میں
سینکڑوں روپے ان کے پاؤں میں آ پڑیں -
اس لئے ان کو تو اب تعلیم یافتہ نوجوان جن
بیچاروں کو روزگار ہی نہیں ملتا - اور عام بیکار
لوگ رشک کی نگاہ سے دیکھنے لگے ہیں - یہ
اتنے بیکار پیشے جس سوسائٹی کا خون چوس رہے
ہوں - اُس کا خدا ہی حافظ ہے - کیا اس کا

نتیجہ یہی ہونا چاہیئے - جیسا کہ ہم دیکھ رہے
ہیں - یہ تو معمولی آدمیوں کا حال ہے - امیروں کا پوچھو وہاں
تو ہزاروں کے وارے نیارے ہو جاتے ہیں -
سپیشلیں چلتی ہیں - دُور دور سے ہزاروں روپے
روز پر بھانڈ طوائف و ناٹک آتے ہیں - ہاتھیوں
موٹروں پر بارات نہ جاوے تو ناک آدھی رہ
جاتی ہے - پانچ پانچ سو روپے کی ایک پوشاک
نہ ہو تو پہچانے ہی نہیں جا سکتے - اگر
ایک ہفتہ عشرہ تک محفل سُرود و عیش گرم نہ
رہے - تو شادی کی خوشی ہی کیا ہوئی - اور
پھر جہیز میں موٹریں - جاگیریں - سونا - ہیرے
جواہرات نہ دیئے جاویں تو اخباروں میں کیا ذکر
ہوگا - اِس لئے تو ہندوستان کے رئیس جاگیردار
و ریاستیں - نیچے ہی نیچے بیٹھتی جاتی ہیں - لوگ
ٹیکسوں کے بوجھ سے بِسمل ہو رہے ہیں ہل من مزید
کا وظیفہ ہی نہیں ختم ہوتا - کیا یورپ میں لارڈ -
جاگیردار و کروڑپتی نہیں رہتے - وہاں تو حضرت اُن
ہی کی کثرت ہے - اور سچ پوچھو تو لکشمی کا نواس
ہی وہاں ہے - مگر کیا مجال کہ اخباروں وغیرہ میں
اُن کی فضول خرچی کی روایات سُنی ہوں - اور یہاں
کی ایک شادی ہی تھوڑی ہے - آج بچہ پیدا ہُوا -
کل مُونڈن ہُوا پرسوں سکول بیٹھا - سُنت بیٹھائی گئی
منگنی ہو گئی - ان معمولی معمولی رسومات پر جب

تھیلیاں خالی کر دی جائیں - تو بھلا شادی بچاری کیا
کرے - خوشی تو خیر خوشی ہی ہے - یہاں تو موت پر
بھی تھیلیاں ہی وقف ہیں - برادری کو کھانا - مولویوں
و پنڈتوں - اچارجوں و فقیروں کو خیرات - جنازہ کا
جلوس شان سے نہ جائے تو دنیا کیا کہے گی - کوئی
بھی مذہب اس فضول خرچی کی اجازت نہیں دیتا -
مگر یہ مولوی و پنڈت کہیں نہ کہیں سے گنجائش نکال
ہی لیتے ہیں - اور پھر یہ ڈوم مراسی نائی و کمین وغیرہ
تو پشت ہائے پشت سے مقرر چلے آتے ہیں - بھلا ان
سے چھٹکارہ کس طرح حاصل ہو - ان کا تقاضا بھی
پھر قابل دید ہوتا ہے - قرضخواہ بھی تو صبر کر لیتا ہے -
وہاں تو نالش کا بھی خوف ہوتا ہے - مگر ہائے میری
ناک اس پر جھٹ اس گھڑی سینکڑوں قربان کر دیتے
ہیں - کہ یہ لوگ ناراض ہو کر بھلا دنیا میں کیا جا کر کہینگے
چاہے دوسرے ہی دن قرقی کے سامان ہونے لگیں -
مگر ان کو ناراض کوئی کر سکتا ہی نہیں - اور لطف
یہ کہ ان کی فیس بھی مقرر نہیں جو مانگ بیٹھیں وہی
لیں - غرض مند ان بھاٹ گانے والے طوائفوں کو
تو سینکڑوں ہزاروں روزانہ پڑے آتے ہیں اور پھر بستی
یا شہر میں جس تہذیب و اخلاق کا یہ پرچار کر جاتے ہیں
وہ نفع میں ہے - معمولی و متوسط آدمی بھی کل اگر
ان کو نہ منگوائیں تو ان کی بھی تو آخر ناک ہے -
مندروں خانقاہوں - مڑھیوں - گوردواروں کے چڑھاوے

اِن سے الگ ہیں اور وُہ بھی سیدھے مجاوروں سجادہ نشینوں و مہنتوں کی جیبوں میں جاتے ہیں۔ پھر آخر اُنہوں نے بھی یہ روپیہ خرچ ہی کرنا ہے۔ کچھ مقدمہ بازی سے سرکاری خزانہ میں۔ کچھ عیش پرستی میں طوائفوں وغیرہ کی نذر۔ کچھ فقیری نشہ کے لئے شراب و مسکرات پر لُٹ جاتا ہے۔ ایک ہی مہنت نے اس جائداد کے گھمنڈ پر سینکڑوں آدمیوں کو ایک مقدس جگہ پر کیا زندہ نہیں جلا دیا تھا۔ کیا بڑے بڑے شوالے مٹھ مقدس مقامات عیش پرستی کے مرکز نہیں بن رہے۔ کیا اس قومی خزانہ پر عموماً ایک واحد مطلق العنان آدمی کی حکومت نہیں ہوتی شکر ہے کہ خالصہ جی نے ساری قوموں کے لئے ایک نیک مثال قائم کر دی۔ کہ تمام گوردواروں پر قبضہ کر کے تنظیم قائم کر لی۔ دیکھا دیکھی اب سب کروٹ لینے لگے ہیں۔ اور قومی خزانہ پر قبضہ کر کے تنظیم قائم کر لی ہے۔ اور کسی جائز مصرف میں لانے کا ارادہ کئے بیٹھے ہیں۔ معلوم نہیں اب کروٹ ہی لیتے لیتے کتنے برس گذرینگے۔ کیا اس زر کثیر سے جو کروڑہا کی صورت میں سال بسال ان جگہوں پر جمع ہوتا ہے۔ یونیورسٹیاں۔ کارخانے۔ ورکشاپ کھول کر لاکھوں بے روزگاروں کی پرورش کا انتظام نہیں ہو سکتا۔

# ۹۔ جسم اِنسانی کا مطالعہ

اگر ہم نظرِ غور سے جسم انسانی کا مطالعہ کریں تو باہر کی دنیا سے اس کی عین مشابہت ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً اُوپر کا حصہ یعنی سر پہاڑ کے مشابہ ہے۔ جس پر ٹھنڈک رہنی چاہیئے۔ ورنہ سخت بخار کی صورت میں ہمیں اس پر مصنوعی برف بھی رکھنی پڑتی ہے۔ اُوپر کے بال جنگلات سے مشابہ ہیں۔ جو سر کو انتہائی گرمی و سردی سے محفوظ رکھتے ہیں۔ سر سے بے انتہا نس ناڑیوں۔ شریانوں و وریدوں کا سلسلہ چلتا ہے۔ کیونکہ یہی جسم انسانی کا دارالخلافہ ہے۔ جہاں کہ دماغ یعنی بادشاہ بیٹھ کر حکومت کرتا ہے۔ نس و ناڑیوں کی تار برقیاں سب اس کے اشارے سے چلتی ہیں۔ اور مختلف جگہ احساس کی خبریں پہنچتی ہیں اس کا خزانہ دِل میں ہے۔ جہاں خون کے قطروں کے سکے ڈھل ڈھل کر مختلف اعضاؤں یعنی صوبوں کو جاتے ہیں۔ اور انہی سے ہی سارے نظام کی پرورش ہوتی ہے۔ جسم میں بڑا بھاری ڈرینج سسٹم ہے جس سے گندگی مقررہ اوقات پر از خود صاف ہوتی رہتی ہے۔ نباتات سے مقابلہ کریں۔ تو جسم ایک پودہ ہے۔ جسے ہوا پانی غذا سورج

دھوپ کی اشد ضرورت ہے - یہ ایک تنگ و تاریک
مکان میں رہ کر مرجھا جاتا ہے - پیلا پڑ جاتا ہے -
بیمار ہو جاتا ہے - اس جسم انسانی ہی کا بغور مطالعہ
کر کے ہی دنیا کے سائنسدانوں نے مختلف ایجادات
کا سلسلہ جاری کیا - اس کی نس ناڑیوں کا مشاہدہ
کر کے تار برقی جاری کی - اس کو دیکھ کر ہم
نے واٹر ورکس اور ڈرینیج سسٹم قائم کیا - کان
کی بناوٹ دیکھ کر ہم نے لاؤڈ سپیکر ایجاد کئے
آنکھ کی بناوٹ کا مطالعہ کر کے ہم نے فوٹوگرافر
کے لئے کیمرے بنائے - دل کی حرکت کو دیکھ کر
اور ایک دوسرے کے دلی احساس کو سمجھ کر وائرلیس
آواز کا مطالعہ کر کے فوٹوگراف - مچھلیوں و پرندوں
کی بناوٹ کو دیکھ کر تارپیڈو، کشتیاں و ہوائی جہاز
بنائے - انسانی راگ کو سن کر باجے کے سر
بنائے - بھاپ سے رکابی اٹھتی دیکھ کر سٹیم
انجن بنائے - گویا کوئی ایسی ایجاد نہیں جس کی بنیاد
قدرت کے کسی مشاہدے پر مبنی نہ ہو - اب
بیرونی نظام حکومت کو دیکھو تو یہ بھی جسم انسانی
ہی کی نقل ہے - سر یا دماغ سب سے فوقیت
رکھتا ہے - تب ہی تو اونچی مسند پر قائم ہے - اسکے
اشارے سے تمام اعضا حرکت کرتے ہیں - انسانی
سوسائٹی کے لیڈر عالم فاضل ممبران پارلیمنٹ و
کونسل و وزرا سوسائٹی کا دماغ یا سر ہیں - ان

کا دماغ سلامت ہے تو سوسائٹی کو کوئی خطرہ نہیں
ورنہ قوم کی کشتی بھنور میں ہے - آج ڈوبی یا
کل - کیونکہ یہی قومی کشتیوں کے ملاّح ہوتے
ہیں - زمانہ جنگ یا امن میں سوسائٹی کا فرض
ہے - کہ ایسے لیڈروں کی حفاظت کرے - جیسے
جسم پر چوٹ پڑنے لگتی ہے تو ہاتھ سر کو محفوظ
رکھنے کی پہلے ہی کوشش کرتے ہیں - کیونکہ
اگر خدا نخواستہ سر پر کوئی ایسی چوٹ لگ گئی
جس سے دماغ بے ہوش ہو گیا تو باقی جسم
بالکل بے حس ہو جائے گا - اس کی ہستی صفر کے
برابر ہو جائے گی - اس لئے تمام اعضا کا فرض
اوّلین ہے کہ دماغ یا سر کی حفاظت کریں کیونکہ
اس میں ہی اُن کی بھی سلامتی ہے - اس طرح
وُزرا و پنڈت دھارمک آدمیوں کی ہستیاں ایک
قیمتی خزانہ ہیں - ہمارے دھرم میں اِن کو برہمن
کہا گیا ہے - کیونکہ یہی راجاؤں کے منتری ہوتے
تھے - سوسائٹی کا فرض ہے کہ چاہے تباہ ہو
جاوے لیکن اِن لیڈروں و برہمنوں کی رکھشا
کرے - ورنہ اُس قوم کی ہستی معرضِ خطر میں ہے
مہابھارت کی لڑائی میں برہمنوں کے مر جانے
سے ہندو قوم اب تک اس نقصان عظیم سے
نہیں سنبھل سکی - اِنہی لوگوں کے سہارے بادشاہوں
کی حکومتیں چل رہی ہیں - یہ لوگ اپنے علم -

عقل - بے غرضی - ہمدردی اور پبلک سیوا کی
وجہ سے عوام میں نہایت ہردلعزیز ہوتے ہیں
دُوسرے درجہ پر جسم انسانی کے ہاتھ و بازو
ہیں - جو انسانی سوسائٹی میں کھشتری بادشاہ
راجے مہاراجے فوجی افسر سپاہی والنٹیر وغیرہ
ہیں - وہ جسم انسانی یعنی سوسائٹی کی سلامتی
کے محافظ و ضامن ہیں - کسی بھی خطرہ کے مقابلہ
میں وُہ ہر وقت سامنے آنے کو تیار ہیں -
سوسائٹی کے دماغ یعنی لیڈران و وزرا کے حُکم
کی تعمیل اِن کا فرض ہے - چُوں چرا کرنا
اِن کا کام نہیں - دماغ کا فیصلہ اِن کیلئے قطعی
و آخری ہے - خود قربان ہو جانا لیکن دماغ و
جسم کی حفاظت کرنا اِن کا فرض ہے - اور
بس - بہادری - بے خوفی - جان نثاری - اور
فرمانبرداری اِن کا کام ہے - تیسرے درجے
پر جسم انسانی کا پیٹ ہے - جو انسانی سوسائٹی
میں سرمایہ دار لوگ یا ویش ہیں - جن کا کام
دھن و دولت اکٹھی کرنا اپنا گذارہ چلانا - اور
سوسائٹی کے تمام اعضا (ہر طبقہ) کی معاش و
خوراک کا انتظام کرنا ہے - یہی لوگ ہیں - جو
دماغ سے لے کر پاؤں تک سوسائٹی کی خوراک
کی بہم رسانی کا انتظام کرتے ہیں - سرکاری
خزانہ میں روپیہ جمع کرتے ہیں - جس سے سوسائٹی

کا سارا نظام چلتا ہے۔ کاشتکاری صنعت و حرفت تجارت ان کا کام ہے۔ ساری سوسائٹی کا کا نظام مالی طور پر ان کے بھروسے پہ کھڑا ہے۔ کیونکہ دان کرنا۔ خیرات دینا۔ ٹیکس ادا کرنا۔ دھرم و سچائی سے دولت جمع کرنا اِن کا کام ہے +

چوتھے درجہ پر پاؤں ہیں۔ جن پر اِس سارے جسم کا بوجھ کھڑا ہے۔ اِن کو کاٹ دو جسم نہیں ٹھہر سکتا۔ لولا۔ لنگڑا محتاج ہو جائیگا چاہے زندگی موجود رہے اور دماغ بھی سلامت ہو۔ یہ سوسائٹی کے سیوک یا خدمت گزار لوگ ہیں۔ جن کو ہم بھنگی۔ چمار۔ اچھوت۔ مزدور ادنےٰ کمین و ہری جن کا خطاب دیتے ہیں۔ یہ سوسائٹی کا ایسا ضروری حصّہ ہیں۔ جیسے جسم کے باقی حصے ان سے نفرت یا چھوت چھات کرنا گویا اپنے جسم ہی سے نفرت کرنا ہے۔ بے شک بعض گندگی و غلاظت کا کام کرتے ہیں۔ مگر یہ ہے سب سوسائٹی کی بہتری کی خاطر۔ جسم انسانی میں ہاتھ روزانہ بھنگیوں کا کام کرتے ہیں۔ مگر ہم اُن کو کاٹ نہیں ڈالتے۔ صابون سے دھو کر اُن کو صاف کر کے اپنے ساتھ مِلائے رکھتے ہیں ماتا اپنے بچے کا پاخانہ صاف کرتی ہے۔ لیکن پھر اُنہی ہاتھوں کو صاف کر کے کھانا تیار کرتی ہے

جیسے ہم سب کھاتے ہیں - یہ لوگ بھی جب غلاظت
میں کام کر رہے ہوں بے شک اُن سے ہم نہ ملیں
لیکن جب اُس کام سے فارغ ہو کر صاف ستھرے
ہو کر ہم میں آویں تو اُن کے ساتھ مل جُل کر کھانے
پینے و مِلنے جُلنے سے ہمیں کوئی تامّل نہیں ہونا چاہیئے
ایسا ہی قانونِ قدرت ہے - کیسے افسوس کی
بات ہے - کہ ہمارے کھانے کے وقت کُتّا
بلّی - کوّا وغیرہ تو سامنے بیٹھے رہیں - مگر اِن
انسانوں اور اپنے بھائیوں کا ہم پر سایہ بھی
پڑ جائے تو ہمارے کھانے اور کپڑے ناپاک ہو
جاتے ہیں - اپنے اِنسانی سوسائٹی کے ممبروں
ہم جنس برادری سے اس قدر نفرت کرنا جانوروں
میں بھی نہیں پایا جاتا چہ جائیکہ ذی عقل انسان
کو زیبا ہو - اِس لئے یہ ایک ایسا گناہِ عظیم
ہے - جس کا جواب متعصب انسانوں کو ایک دن
ضرور پروردگار کو دینا پڑے گا - کیونکہ ایشور
نے تو انسانی سوسائٹی میں بالکل مُشابہ جسم
دے کر اُن کو برابر رُتبہ دیا ہے - اگر وہ تعلیم
تہذیب اخلاق و صفائی میں ہم سے پیچھے ہیں -
تو یہ انسانی سوسائٹی پر ایک فرض اہم ٹھیرتا
ہے - کہ ہم ایسا انتظام کریں کہ اپنے بھائیوں
کو جہالت و تاریکی کی گہری غار سے نکال کر ترقی
یافتہ لوگوں کی قطار میں لا کر کھڑا کریں - اِس صورت

میں یہ ہمارے لئے اور زیادہ مفید ہو سکتے ہیں۔
کیونکہ یہ سائنس کے جدید طریقوں سے اپنے
پیشوں میں اور ترقی کرکے زیادہ فارغ البال و
مہذب بن سکتے ہیں ٭

## ۱۰۔ اِنسانی زندگی کا پروگرام

دُنیا کے سامنے آج ایک نہایت پیچیدہ مسئلہ
درپیش ہے۔ وُہ یہ کہ ہر مُلک میں آئے دن
بیکاری کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اور آج
کل جب کہ ہر مُلک میں تجارت وغیرہ کی سرد بازاری
ہے۔ روزگار کا سوال بڑی مُشکل پیش کر رہا ہے۔
مگر ہم ذرا غور کریں تو منُو جی مہاراج نے اِس
کا حل نہایت عجیب و قدرتی طریق سے ہمیں بتایا
ہے۔ اِنسانی عمر کو وُہ قدرتی طور پر چار حصوں میں
تقسیم کرتے ہیں۔

### ۱۔ برہمچریہ آشرم (زمانۂ طالب علمی)

پہلے پچیس برس میں وہ بچے کو نہایت سادہ جیون
بسر کرنے۔ کم سے کم ضروریات پر گذارہ کرنے۔
قوائے انسانی کی تربیت اور برہمچریہ یا ریاضت
کی زندگی بسر کرنے کا اُپدیش دیتے ہیں۔ یعنی
اس عرصہ میں، اُستاد یا گُورو کی زیر نگرانی رہ کر

تمام آسائشات دُنیاوی سے پرہیز کر کے صرف تعلیم حاصل کرنا اور جوہر زندگی کی حفاظت کرنا مقصود بتایا ہے - یعنی نفس امّارہ کو قابو کرنے کی جس قدر ریاضتیں ہیں ان پر عبور کر کے اپنے جسم و دماغ پر ایک مکمل کنٹرول یا قابو حاصل کرنے کی مشق کرائی جاتی ہے - کم از کم ۸ برس کی عمر سے ۲۵ برس تک اُسے محض تعلیم کا خیال ہی کرنا ہے - وُہ سوسائٹی سے الگ دُنیا کے کھیل تماشوں سے دُور رہ کر صرف پاکیزہ زندگی خدمت انسانی اور گیان دھیان میں یہ عرصہ کاٹ کر گویا آگ کی بھٹی میں تپ کر کُندن بن جاتا ہے - روزگار کے فکر سے وُہ آزاد ہے - ماتا پتا کے پریم و لاڈ پیار کے بندھنوں سے بری اُستاد اُس کا سچا خیر خواہ - مکمل انسان و صحیح رہنما ہوتا ہے - اُس کو کوئی فیس نہیں دینی - نہ اُسے روٹی کی فکر نہ کپڑے کی پرواہ - اُن کی تمام ضروریات گرہستی خانہ دار و سرمایہ دار لوگ دان یا خیرات کی صورت میں خُود بخود اس انسٹی ٹیوشن میں پہنچا دیتے ہیں - کیونکہ یہ سوسائٹی کی مشترکہ جائداد ہیں -

## ۲ - گرہست آشرم (یا خانہ داری)

اس زمانہ تربیت کو پُورا کر کے وہ گرہست

یا دنیا داری میں پوری تیاری جسمانی اخلاقی - اور روحانی کے بعد داخل ہونا ہے - اس کے خیالات عادات و کیریکٹر پتھر کی چٹان کی طرح مضبوط ہو چکے ہوتے ہیں - وُہ عین اس طرح کی تربیت یافتہ تعلیم حاصل کردہ و پاکیزہ خیال والی لڑکی سے جسے وہ سویمبر سے پسند کرتا ہے - بیاہ کر کے دُنیا داری کے میدان میں داخل ہو جاتا ہے. پچاس برس تک وہ نہایت تندہی عرق ریزی سے دھرم کے اصولوں پر چلتے ہوئے روزگار کے میدان میں دولت کماتا ہے - پاکیزہ زندگی گذارتا ہے - جھوٹ - مکر - فریب - پالیسی سے وُہ کوسوں دُور بھاگتا ہے - کیونکہ یہ اُس کی عادت سے دُور ہیں - تھوڑا بہت جو کماتا ہے - اس پر گذارہ کر سکتا ہے - کیونکہ سادہ زندگی کا عادی ہے. گرہست و خانہ داری میں آکر خیرات وغیرہ کے کاموں میں روپیہ دے کر اپنا پہلا قرضہ جو دُنیا داروں نے اس کی تعلیم کے وقت مدد کے طور پر دیا تھا - ادا کرتا ہے - خانہ داری کے تمام فرائض دھرم کے مطابق بسر کر کے خانہ داری کو صرف اولاد کے پیدا کرنے اور دیگر دھارمک سوسائٹیوں کی امداد وغیرہ کرنے کا ذریعہ جانتا ہے - نہ کہ عیش پرستی کا ذریعہ -

## ۳ - بان پرست آشرم (ترکِ دنیا)

تیسرے درجہ پر بان پرست - یعنی پچاس سال کی عمر میں وُہ اس دُنیاوی زندگی کو خیرباد کہتا ہے - اَور ریٹائر ہو جاتا ہے - پھر جنگل میں آبادی سے دُور ڈیرہ لگاتا ہے - درویشوں عابدوں خدا پرست سادھوؤں و فقیروں کا قرب حاصل کر کے خدا پرستی کی نیک تعلیم کو ہر جگہ پر پھیلانا اپنا فرض جانتا ہے - لوگوں کو راہِ راست کی ہدایت کرتا ہے -

## ۴ - سنیاس آشرم (فقیری)

چوتھے درجہ میں ۷۵ برس کی عمر میں داخل ہو کر سنیاسی یعنی بالکل فقیر بن جاتا ہے - گویا خلق خدا کی خدمت کے لئے مکمل تیار ہو کر اب دُنیاوی لذات - تعلقات سے بالکل کنارہ کر کے تمام خلقِ خدا کو اپنا عزیز جان کر ہمہ تن اُن کی خدمت میں کمربستہ ہو جاتا ہے - وُہ کسی ایک مقام پر اب نہیں رہتا ہے - جگہ جگہ پھر پھر کر گمراہوں کے لئے چراغ ہدایت کا کام دیتا ہے - بھولے بھٹکوں کو خدا کے راستہ لگاتا ہے - اور دنیا کو گناہوں کے گہرے گڑھوں سے خبردار کرتا ہے - اور اس طرح ۱۰۰ برس کی عمر تک یا اس سے زیادہ زندہ

رہ کہ وُہ تمام فرائض دُنیاوی پُورے کرکے عاقبت کے لئے بھی سرمایہ اکٹھا کر لیتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ جب مرتا ہے۔ اُسے دُکھ نہیں ہوتا۔ اُسے مکان بنانے جائیداد سمبھالنے کی فکر نہیں ہوتی۔ وہ قریبی رشتہ داروں کو دیکھ دیکھ کر کفِ افسوس نہیں ملتا۔ وُہ نہایت اطمینان سے اپنے تئیں خدا کی گود میں ڈال دیتا ہے۔ اور وُہ اس طرح موت کو فتح کر چکا ہوتا ہے۔ کیونکہ اُس کے دل میں نہ کوئی حسرت باقی ہوتی ہے اور نہ کوئی اُمید۔ وُہ پہلے ہی فنا فی اللہ ہو چکا ہے۔ وُہ پہلے ہی خدا کی عبادت و ریاضت میں زندگی حوالہ کر چکا تھا۔ اس لئے پرماتما نہایت مہربانی سے اس کو اپنے قریب جگہ دیتے ہیں اور وُہ اس طرح دنیاوی زندگی میں کامیاب بن کر لوگوں کے لئے ایک مثال قائم کرتا ہے۔ اور آنے والی نسلیں اُس کی زندگی کو اپنے لئے ایک چراغ ہدایت سمجھتی ہیں ؎

مرنا بھلا ہے اس کا جو اپنے لئے جئے
جیتا ہے وُہ جو مر چکا انسان کیلئے

گویا وُہ مر کر بھی اپنے آپ کو امر بنا جاتا ہے۔ اس کی موت پر نہ رشتہ دار روتے ہیں۔ اور نہ خود اُسے کوئی غم باقی ہے۔ وُہ ایشور کے حضور سرخرُو ہو کر جاتا ہے۔ کیونکہ اُس نے تمام فرائض

دُنیاوی و اِنسانی کو پُورا کر لیا ہے - بقولِ شاعر ؎

یاد داری بوقتِ زادنِ تو - ہمہ گریاں بُوند و تو خنداں
ہمچناں زی کہ بعد مُردنِ تو ہمہ گریاں بُوند و تو خنداں

وُہ اپنی زندگی کو خلقِ خدا کے لئے وقف کر کے ابُو بن ادھم کی طرح خدا کے پیاروں کی قطار میں اوّل نمبر پر جا کھڑا ہوتا ہے - اب اُسے نہ دُنیا کی فکر نہ عاقبت کا خوف وُہ موت سے کیوں ڈرے اور دُنیا سے کیوں نہ مُنہ موڑ کر ایشور کی گود میں جا کر آنند میں زندگی کے ثمر یعنی مُکتی یا نجات سے مستفید ہو -

## ۱۱- موجُودہ زِندگی کا خاکہ

۱- ذرا غور فرمائیے - کہ اس دُنیا میں جب ۲۵ برس تک جوان زیرِ تعلیم ہوں - اور اُن کا خرچ بھی کوئی گراں نہ ہو - تعلیم مفت ہو - فیشن ندارد ہوں - زندگی سادہ ہو - اُن کو تو اپنے روزگار کی فکر ہی نہیں - کیونکہ دُنیا دار سرمایہ دار لوگ اُن کے اخراجات کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر ایک فرضِ اِنسانی جانتے ہیں - اور سب لوگ اپنی آمدنی کا گویا $\frac{1}{10}$ بلا کسی حیل وحجت کے دان یا خیرابیت میں دے دینا ایک دھارمک فرض جانتے ہوئے خود بخود وہاں ہی پہنچاتے ہیں -

اب رہے دُنیاوی لوگ وُہ بے شک روزگار
کے لئے فِکر کرتے ہیں۔ مگر اُنہیں فکر کرنے
کی ضرورت ہی کیوں ہو۔ جب کہ سارا میدان
اُن کے ہاتھ میں ہو۔ کیونکہ سوسائٹی کے $\frac{3}{4}$
لوگ تو روزگار کے فکر سے آزاد ہیں۔ اور اس
جھگڑے سے کنارہ کش ہیں۔ برہمچاری لوگ زیر
تعلیم ہیں۔ بن باسی ریٹائر ہو چکے ہیں اور دُنیا
سے کنارہ کش ہیں اور سنیاسی ۷۵ سے ۱۰۰ برس تک
پھر پھرا کر صرف روٹی ہی کھا کر دھرم کا اپدیش
ہی سُناتے پھرتے ہیں تو باقی گویا $\frac{1}{4}$ حِصّہ
سوسائٹی کو دُنیا کے سب کاروبار کرنے ہیں۔
اور وُہ اس قدر ہیں کہ اُن میں کوئی بے روزگار
یا نکما رہ ہی نہیں سکتا۔ اور وُہ از خود اس قدر
مالا مال ہو جاتے ہیں۔ کہ وہ بڑی خوشی سے
باقی $\frac{3}{4}$ حِصّہ سوسائٹی کو جو صرف اُن ہی کے
فائدے کے لئے اور اُن کی ہی خدمت کیلئے
ریاضت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ صرف
روٹی کپڑا مہیا کرنے میں کوئی بوجھ ہی نہیں
جانتے۔ خیال تو کرو۔ کہ گورنمنٹ بھی ۵۵ برس
کی عمر میں نوکری سے جواب دے دیتی ہے۔ مگر
یہ لوگ جنگلوں میں تھوڑا چلے جاتے ہیں۔ اُن میں
سے ۹۰ فی صدی پھر روزگار کی تلاش میں مارے
مارے پھرنے لگ جاتے ہیں۔ پھر نوکری اختیار کر لیتے ہیں

حاصل کرنے کی بے جا خوشامدیں کرتے پھرتے ہیں۔
کئی دوبارہ نوکری کر ہی لیتے ہیں۔کئی اپنی اولاد کے
موہ میں پھنس کر اُن کی شادی رچانے یا اُن کے
لئے بھاری جائداد چھوڑنے کے لئے دھن کمانے
لگ جاتے ہیں ۔ اور اِس طرح اُن لوگوں کے
حقوق چھینتے ہیں ۔جن کا فرض دھن کمانا ہے۔
حالانکہ اِن کا فرض اب آرام کرنا اور خدا کی بھگتی
اور لوگوں کی سیوا کرنا تھا ۔جس دنیا میں ۸ سال
کے بچے سے لے کر ۸۰ برس کے بڈھے تک
فرشتۂ اجل کے آنے تک جن لوگوں کو روزگار ہی
کا فکر چلا آئے اور وہ دولت و ثروت کے پیچھے
ہاتھ دھو کر پڑے ہوں ۔ وہاں روزگار و تلاش
معاش کا مسئلہ ایک عقدہ نہ ہو جائے تو کیا ہو
قانون قدرت نے بھی دن محنت کو اور رات
آرام کو بنا دی ۔اب اگر ہم جوانی کی عمر یعنی دن
میں دنیاوی حیثیت میں روزگار کما کر ضعیفی و
بڑھاپے کی رات میں بھی آرام نہ کریں۔بلکہ روزگار
ہی کے پیچھے پڑے رہیں تو اس غلطی کی سزا نہ صرف
اِن آدمیوں کو بلکہ سوسائٹی کو بھی بھگتنی پڑتی ہے
کیونکہ سوسائٹی کا ہر بچہ سے لے کر بوڑھا تک
روزگار و کام کا مطالبہ کرتا ہے ۔ اور یہ صریح قانون
قدرت کے خلاف ہے ۔بچّوں کو دُنیاداری میں داخل
ہونے سے پہلے روزگار کے پھندے کے فکر میں

نہیں پھنسنا چاہئے ۔ کیونکہ ۲۵ سال تک کم ازکم اُن
کو تو زندگی و کشمکش کے لئے تیار ہونے ۔ تعلیم و
تجربہ حاصل کرنے اور رموز ہائے زندگی سے واقفیت
حاصل کرنے میں لگانے چاہئیں ۔ مگر ایسا نہیں ہوتا ۔
جس مُلک میں دیکھو ۔ کارخانوں ۔ دُکانوں ۔ ورکشاپوں
میں آپ کو صرف دُنیادار ہی نظر نہ آوینگے بلکہ بڑھے
اور ۸ سال کے اُوپر کے بچے بھی نہ صرف یہ بلکہ
عورتیں بھی جن کا کام صرف خانہ داری کی نگہداشت
تھا ۔ بچے پیدا کرنا ۔ اُن کی پرورش و تربیت و تعلیم
کھانا بنانا ۔ بیماروں کی تیمارداری ۔ سینا ۔ پرونا ۔
کپڑے دھونا ۔ صفائی و سلیقہ کیا یہ کم کام تھے ۔ جو
عورتوں کو بھی شریک روزگار کرکے مردوں نے اپنے
روزگار کا اور قافیہ تنگ کر رکھا ہے ؟ عورتوں کے
کاروبار میں اُترنے سے فیشن ترقی کرنے لگا ہے ۔
نمائش و آرائش بڑھ گئی ہے ۔ عیش پرستی کا پرچار
ہو رہا ہے ۔ شادی کرنے سے نفرت بڑھ رہی ہے
اولاد پیدا نہ کرنا اور برتھ کنٹرول مصنوعی طریقوں سے
دن بدن بڑھتا جاتا ہے ۔ دنیا کی آئندہ نسل اوّل
تو کم ہو رہی ہے ۔ اور جو ہے بھی وہ کس مپرسی
کی حالت میں ہے ۔ نہ گھر میں باپ ہے ۔ اور
نہ ماں ۔ وہ کس کی گود میں تربیت حاصل کریں ؟
اس لئے وہ ادنٰے اخلاق و معیار کے نوکروں کے
سپرد کردیئے جاتے ہیں ۔ اس طرح گویا قوم کی

قیمتی جائداد کو تباہ کیا جا رہا ہے۔ گورنمنٹ پبلک مطالبوں کے سامنے بے بس ہے۔ کئی ایک ملکوں میں کچھ قوانین ضرور بنا دئے گئے ہیں۔ کہ کارخانوں کے بچوں لڑکوں و لڑکیوں کے لئے تعلیم کا اور تفریح کا انتظام ہو۔ مگر سنا یہی جاتا ہے کہ اِن کی سرمایہ دار کچھ ایسی پرواہ نہیں کرتے۔ اور اس پر ظلم یہ کہ تہذیب یافتہ ممالک میں کنواری نوجوان لڑکیاں بھی کھلے بندوں نوکریاں کرسکتی ہیں۔ گویا وہ بھی آزادی ہی سے روزگار کمانا اپنا فرض جانتی ہیں۔ ہر دکان۔ ہوٹل۔ دفتر میں انہی کا مطالبہ کیوں بڑھ رہا ہے؟ اس بات سے اندازہ کر لو کہ دُنیا تباہی وعیش پرستی کی طرف جا رہی ہے۔ یا سلامتی و خدا پرستی کی طرف؟ اِن نوجوان لڑکیوں کا تو کام تھا۔ تعلیم خانہ داری حاصل کرنا۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے ٹریننگ لینا۔ فسٹ ایڈ و ڈاکٹری۔ تیمار داری پڑھنا۔ گھر کے سینے پرونے۔ دھونے دُھلانے و کھانے پکانے کے کاموں میں ماتاؤں سے تجربہ حاصل کرنا تاکہ آئندہ نسل کی بُنیاد صحت تندرستی پر رکھ کر قوم کی زندگی اور اس کی بُنیاد کو مضبوط کرنا۔ نہ کہ دربدر پھر کر اپنے حسن کی نمایش کر کے نوجوانوں کی زندگی تباہ کرنا۔ اور اُن کو دام محبت میں پھنسا کر دنیا سے

بیزار کر کے خود کشیوں پر مجبور کرنا یا خانہ داری
سے نفرت دلا کر قوم کی بُنیادوں کو ڈھانا۔ تھیٹر
تماشوں۔ سینماؤں میں اِن ایکٹرس عورتوں نے بڑے
بڑے خاندانوں کے لڑکے و لڑکیوں کو پھنسا کر
نہ گھر کا چھوڑا نہ گھاٹ کا۔ یہ تھیٹر و ناٹک۔
ایشور بھگتی۔ دھارمک نظارے دکھاتے تو لوگوں پر
کچھ اثر بھی ہوتا۔ اور اُن کی زندگی سُدھرتی یہ
سینما تماشے لوگوں کی واقفیت بڑھانے اور سدھارنے
کا کام لیتے تو کچھ بات ہوتی۔ کیونکہ اِن کا مؤثر
طریقہ لوگوں کو اپیل کرتا اور وُہ عشق و محبت کے
نظاروں سے دیوانے نہ ہوتے۔ بلکہ فہمیدہ سنجیدہ
فرض شناس اِنسان بن کر دُنیا کے امن کو چار
چاند لگا کر قوم و ملک کی ترقی میں کندھا دیتے
نہ کہ ان کی بنیادیں ہلاتے۔ اور دُنیا میں صرف
کھاؤ پیو اور موج کرو کی تعلیم کی نمائش کر کے
اِنسانوں کو محض حیوان بناتے چلے جاتے۔ اور
اِن تماشوں و تماشوں کا نہ کوئی وقت مقرر ہے
اور اگر ہے تو قدرت کے قانون کے خلاف۔ ۴
بجے شام سے لے کر ۴ بجے صبح تک ان کا بازار
گرم رہتا ہے۔ اور جو نہ جائے تفریح ہی نہیں
ہوتی اور مہذب نہیں گنا جاتا۔ دُنیا کی دیکھا دیکھی
بچے سے لے کر بوڑھے تک مرد عورت جاتے ہیں
اور عیش پرستی۔ فضول خرچی۔ غریبی۔ بیماری۔ مُفت

کی سر دردی ۔ خانہ داری سے بیزاری ۔ فرائض سے غفلت اور دیوانگی کی تعلیم حاصل کر کے دُنیا کے امن و امان و دھرم کو تباہ کر رہے ہیں ۔ نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ قوم کے ہونہار لڑکے و لڑکیاں صحبتِ بد کے پنجے میں پھنس کر دُنیاداری میں داخل ہونے سے پہلے ہی ایک دائم المریض بن چکے ہوتے ہیں۔اور دنیاوی مشکلات میں گھرا جاتے ہیں ۔ اور نت نئے فیشن اختیار کر کے اپنے ضروریات اس قدر بڑھا لیتے ہیں کہ والدین سے حیثیت سے زیادہ خرچ کا مطالبہ کرنے اور پھر نہ پانے پر ناراض ہو کر خود کُشیاں کرتے چلے جاتے ہیں ۔ اور سادہ زندگی اختیار نہ کر کے ریاضت کی زندگی کے مشتاق نہ بن کر محنت سے جی چراتے ہیں ۔ اور امتحاناتِ زندگی میں فیل ہو ہو کر پستول سے اپنا خاتمہ کرتے ہیں ۔ یا انجن کے آگے لیٹ جاتے ہیں ۔ اور دنیا دار ۔ بیچارے اخراجات و ضروریاتِ زندگی کی بڑھتی مانگ کی چکی میں پس کر چُور چُور ہو رہے ہیں ۔ زندگی کا معیار بہت بڑھ گیا ہے ۔ بے فائدہ اخراجات و نمائش اور نت نئی ضروریات نے بہت تنگ کر رکھا ہے جس گھر میں جاؤ ایک خاصہ عجائب گھر معلوم پڑتا ہے ۔ پہننے کے بُوٹوں سلیپروں ۔جُوتوں اور پھر اُن کی مختلف قسموں کھیل ۔ تھیٹر ۔ ناچ ۔

نوکری کے لئے الگ الگ قطاریں ہیں۔مختلف
قسم کے روغن۔کپڑوں کے جوڑے اندر پہننے
کے الگ باہر کے الگ ریشمی و جڑاؤ الگ و سادہ
الگ۔پرانے و نئے فیشن کے جدا مختلف قسم
کے صابون۔تیل۔خوشبویات۔قیمتی اشیا۔گھڑیاں
مختلف قسم کی۔ہاتھ کی۔پیٹی کی۔جیب کی
کمرے کی۔الگ الگ۔جرابیں۔دستانے۔بنیان
گرم و سرد۔عینکیں۔چشمے دور کے الگ۔
نزدیک کے جدا۔دھوپ کے لئے اور اور
کاروبار کے لئے اور پھر گھر کا ہسپتال۔جس
میں دنیا بھر کی اشتہاری ادویات۔ڈبیاں شیشیاں
طاقت و ہاضمے کی دوائیاں۔نظر تیز کرنے کے
سرمے و سردرد کے تیل اور مختلف قسم کے
طلا۔ڈرائینگ روم کا فرنیچر گدیلے دار کرسیاں۔
فرشی دریاں۔قالین۔تصاویر جھاڑ۔فانوس۔بجلی کے
پنکھے۔انگیٹھیاں۔لائبریری کے ناول و اخبار۔
نوکروں و خدمتگاروں کا لشکر۔چڑھنے کی سائیکل۔
موٹر۔ٹانگے و فٹن۔بچوں و لڑکیوں تک کو دولت
کے شکار کے لئے بھاگ دوڑ کرنی پڑتی ہے۔جس
سے سوسائٹی کا سارا نظام فیل ہو کر رہ جاتا ہے۔
اور پھر اس دولت کی جمع آوری۔جھوٹ۔مکر۔فریب
دغا۔جس طرح بن پڑتا ہے گریز نہیں کیا جاتا۔
عاقبت سے گویا سب غافل ہیں۔طالب علم۔بچے

جنہوں نے الگ تھلگ رہ کر سوسائٹی کے لئے
ایک مُفید پُرزہ بننا تھا۔ روزگار کے پیچھے پڑ کر
سوسائٹی پر ایک بارِ گراں ثابت ہوتے ہیں۔ نتیجہ
یہ ہوتا ہے۔ کہ نہ اُن کو چین مُیسر ہوتا ہے نہ
باقی دُنیا داروں کو روزگار کی سہولت۔ یک انار و
صد بیمار۔ ایک نوکری اور سو درخواستیں موجود ہوتی
ہیں۔ اور عورتوں کا یہ حال کہ آزاد و خود مُختارانہ
زندگی کو ترجیح دینے لگی ہیں۔ شادی پسند نہیں اور
اولاد پیدا کرنے اور اس کی تربیت کو تکلیف و
محض بکھیڑا کہتی ہیں۔ برتھ کنٹرول کا زور شور
ہے۔ آبادی گھٹ رہی ہے۔ بعض ملکوں میں
سرکار کو شادی شدہ جوڑوں کے لئے وظائف
مقرر کر کے رشوت دینی پڑتی ہے۔ موجودہ سائنس
کی ترقی میں جب یہ حال ہو۔ تو کوئی ایسا
قانون قدرت ہو۔ کہ عورتیں مرغیوں کی طرح انڈے
دے دے کر چھوڑتی جائیں اور مشینیں بچے نکال
نکال کر اُن کی پرورش و تربیت کا سامان کریں
ورنہ دُنیا کی خیر نہیں۔ کیونکہ خانہ داری کے فرائض
و ضروریات ہوٹلوں و بجلی نے سنبھال لئے ہیں
مگر افسوس کہ قانون قدرت ایسی اجازت دے نہیں
سکتا۔ انسانی بچّہ تو اُلفتِ مادری و پدری کے
سایہ ہی میں پرورش پا سکتا ہے۔ اور وہ آج کل
نابُود ہے۔ اس لئے تو بچّوں کی موت کی بڑھتی

تعداد: قوم کو فکر میں ڈال رہی ہے - جب
اشرف المخلوقات کا یہ حال ہے کہ کھلے بندوں
اتھارٹی قانون کی خلاف ورزی کر رہے ہیں - تو
خانہ داری میں آرام و چین کہاں میسر ہو - گرہست
تنگ بنے ہوئے ہیں - زندگی کا مدعا محض عیش
پرستی کھاؤ پیو موج کرو - کی دُنیا بن گئی ہے
نتیجہ یہ ہے - کہ جس مُلک میں جاؤ بد امنی -
دنگے فساد - مار دھاڑ - طلاقوں کی بھر مار ہے -
ڈاکوؤں و چوروں کی کمی نہیں - دن دہاڑے فیشن ایبل
ڈاکو موٹروں میں بیٹھ بیٹھ کر ڈاکے مارتے ہیں
قتل و خون ترقی پر ہے - گویا سائنس کی ترقی کے
ساتھ جرائم کی ترقی ہو رہی ہے - خدا پرست لوگ
جو کہیں شاذ و نادر رہ بھی جاتے ہیں - تو اس دُنیا
کی حالت پر چار آنسو بہا کر رہ جاتے ہیں -
گورنمنٹ پولیس و فوج کیا کرے - بے بس ہے - جب
لوگوں کا نقطہ نگاہ ہی بدل گیا ہو - عیب ثواب
و گناہ - نیکی بن جائے اور ایسی گنی جانے لگے تو
وہاں خدا ہی حافظ ہے - جیل خانے بھرے پڑے
ہیں - کارخانوں میں ہڑتال ہے - پارلیمنٹوں میں
دھکم بازی - رات عیش آرام - کھیل تماشے کے لطف
میں جاگتے جاگتے کٹ رہی ہے - سوسائٹی کی صحت
بگڑ چکی ہے - ایک ایک بیماری کے درجنوں ہسپتال
ہیں - ہر ایک بیماری کے کئی سپیشلسٹ ہیں - نئی

کئی سینی ٹوریم ہیں - ڈاکٹر لائق سے لائق ہیں -
مگر بیماریاں کم ہونے میں ہی نہیں آتیں - تیزی
سے بڑھ رہی ہیں - حالانکہ کئی کلب - سوسائٹیاں
انجمنیں سر توڑ کوشاں ہیں - مگر قدرت کی خلاف
ورزی کا علاج کون کرے - یونیورسٹیاں بھری
پڑی ہیں - امتحانات کی تیز رفتاری ہے - دھڑا
دھڑ ڈگریاں تقسیم ہو رہی ہیں - مگر بازار میں اُن
کو کوئی پُوچھتا تک نہیں - کہنے کو دُنیا بڑی ترقی
کر گئی ہے - ہوا میں ہوائی جہاز ہیں تو سمندر
میں جنگی جہاز و تارپیڈو - زمین کے اُوپر نیچے -
دائیں بائیں - ریلیں - موٹریں دوڑ رہی ہیں - تار ریل
و ائیر لیس کا جال بچھا ہے - گویا انسان نے
قدرتی طاقتوں پر فتح حاصل کر کے بھی شکست تسلیم
کر لی ہے - کیونکہ سوسائٹی کا دماغ خراب ہو گیا
ہے - وُہ اِن سنجیدہ مشکل سوالوں کا حل نہیں
سوچ سکتی - دُنیا میں امن و امان قائم نہیں ہو
سکتا - بے روزگاری و بیکاری کا مسئلہ حل
ہونے میں نہیں آتا - سلطنتوں میں باہمی بے اعتمادی
سے جنگ کے سامان ہوتے نظر آتے ہیں -
تجارت دن بدن نیچے جا رہی ہے - زراعت
و کارخانوں میں سٹرائیکیں ہیں - مزدور کہتے ہیں
اُجرت بڑھاؤ - مزدوری و سرمایہ داری کے سوال
نے دنیا کو ہر جگہ تنگ کر رکھا ہے - بادشاہوں

پارلیمنٹوں پر لوگوں کا اعتماد اُٹھتا نظر آتا ہے۔ مساوات مساوات کا شور سُنائی دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس نفسا نفسی میں خدا سے بھی لوگ مُنکر ہوتے جاتے ہیں۔ سچ ہے۔ جب مریض تنگ آ جاتا ہے تو خدا کو بھی بے نُکت سناتا ہے۔ مگر یہ نہیں دیکھتا کہ سارا قصور اُسی کا اپنا ہے بُنیادی غلطی قانونِ قدرت سے انحراف میں ہے جس کی وہ سزا بھگت رہا ہے۔ مگر توبہ کرنے کی بجائے اور قانون قدرت کی تابعداری کرنے کی جگہ موت کو للکار کر بُلاتا ہے۔ اور تنگ آکر خودکشی ہی کو ترجیح دیتا ہے۔ اور یہ نہیں جانتا کہ آتم ہتیا ایک مہاں پاپ ہے اور اسے تمام مذاہب نے گناہ تسلیم کیا ہے۔ کاش کہ دُنیا کے سائنس دان فلاسفر۔ ممبران پارلیمنٹ و لیڈران مُلک حالات کا غور سے مطالعہ کریں۔ اور دیکھیں کہ کیا وجہ تھی کہ پُرانے زمانے میں لوگ لمبی عُمریں رکھتے تھے۔ ہزاروں سال تک ایک ہی نظام گورنمنٹ چلا جاتا تھا۔ چور ڈاکو نہیں تھے۔ جھوٹ دغہ فریب کا نشان نہ تھا پاپی و مجرم کوئی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ جیل خانوں کی شاذ و نادر ہی ضرورت پڑتی تھی۔ دُنیا امن چین سے زندگی گذارتی تھی۔ آخر کیا سبب ہے۔ کہ آج معاملہ باوجود سائنس کی ترقی کے

دِگر گوں ہے۔ اِس کا جواب پھر وہی ہے۔
قانونِ قدرت کی خلاف ورزی۔ اگر آج دنیا کی
طاقتیں جس طرح الگ الگ اپنے اپنے ہی مُلک کی فِکر
میں پڑی ہیں مجموعی انسانی قوم کی بہتری کے مسائل
کو سوچیں اور لیگ آف نیشنز کو اور وسیع اختیار و
طاقت دے کر دُنیا کے لئے قانون بنا دیں۔
سوسائٹی کی عُمر کی تقسیم کر دیں کہ کوئی فردِ بشر
پچاس سال سے زائد تک و پچیس سال سے
پہلے دُنیا داری کے معاملے میں خلل انداز نہ ہو
سکے۔ پچاس سال کے بعد انسان جبراً ہر کام
سے ریٹائر کر کے گوشہ نشینی میں بیٹھکر لوگوں
کی ہدایت پر چل پڑیں۔ سوسائٹی کے بچّوں
کی تعلیم کی نگہداشت شروع پیدائش سے پچیس
سال تک لازمی طور پر گورنمنٹ کی زیر نگرانی ہو
اور تعلیم و تربیت کا ایسا نظام بن جاوے کہ
نسلِ انسان دنیاوی زندگی میں آکر فیل نہ ہو
سکے۔ بلکہ کرشن کی طرح ہوگی۔ جنک کی طرح
راجرشی۔ رام کی طرح مریادہ پرشوتم۔ سقراط
کی طرح دانا۔ لقمان کی طرح حکیم۔ نیوٹن کی
طرح فلاسفر۔ ورڈس ورتھ کی قدرت کے مداح
بھوج و بکرماجیت کی طرح راجے۔ لوتھر کی طرح
ریفارمر۔ بُدھ جیسے تیاگی۔ نوشیرواں کی طرح عادل
ارجن سے بہادر۔ اکبر جیسے صلح کُن۔ ابراہیم لنکن

جیسے پریزیڈنٹ ۔ ٹیگور جیسے گورو بن کر نکلیں تو
تمام پیچیدہ مسائل کا حل نکل آوے اور گرہست
و دنیا داری پھر ایک بار سورگ بن سکتا ہے اور
دنیا ایک بہشت کا نمونہ بن سکتی ہے ۔ مگر یہ تب
ہو سکتا ہے ۔ جب کہ انسانی سوسائٹی کے دماغ
کی چابی ایسے انسانوں کے ہاتھ میں ہو ۔ جو
بے غرض ۔ خدا پرست عالم با عمل ۔ پرہیزگار و
عابد اور تمام دُنیا کی برادری کے لئے درد رکھنے
والے کُشادہ دِل ہوں نہ کہ اپنے اپنے مُلک
کے راگ الاپنے والے تنگ نظر انسان جنہیں
اپنی ہی بہتری کے سوا کچھ نظر ہی نہ آسکے ۔ جب
اِس قسم کی بنی نوع انسان میں ہمدردی ۔ دوستی و نیک
دِلی و دیانتداری پیدا ہو جائیگی ۔ اور یہی لوگ لیگ آف
نیشنز میں رل بیٹھینگے تو سمجھ لو کہ دنیا کا بیڑا پار ہو
گیا ۔ ساری دنیا پر اس لیگ کی حکومت ہوگی تمام
بادشاہ مُلک اِس کے آگے سر تسلیم خم کرینگے ۔ ہر
کوئی اپنے اپنے مُلک میں خود مختار رہ کر بھی ایک
اصول و قاعدے میں بندھا رہ سکیگا ۔ کوئی کسی پر
زیادتی نہ کر سکے گا ۔ کیونکہ لیگ کے ڈنڈے میں
جادُو کا اثر ہوگا ۔ کیونکہ ساری دُنیا اس کی پُشت
پر ہوگی ۔ کسی قوم کو بغاوت کرنے کا حوصلہ نہ ہوگا
مذاہب کی لڑائیاں جھگڑے و تفرقے مٹ جاوینگے
کیونکہ سوسائٹی کی باگ ڈور تنگدل مذہب پرست لوگوں

سے نکل کر خدا پرست - دیانتدار اور لاطمع انسانوں
کے ہاتھ میں ہوگی - بہ بھائی بھائی کی طرح رہیں گے
یگانگت و مساوات کا راج ہوگا - بے اعتمادی اُٹھ
جاوے گی - فوج و لشکر توپ و جنگی جہاز صرف اس
لیگ کی جائداد ہوگی - تمام ملک فوج و ہتھیاروں
کے خرچ عظیم و باہم بے اعتمادی فکر سے آزاد ہوجاوینگے
دُنیا کے پیچیدہ مسائل اس پنچائیت سے طے ہونگے -
تجارت آزاد ہوگی - غلامی اُڑ جائے گی - ہر جگہ سوراجیہ
و امن چین ہوگا - ہر ایک انسان اپنی سوسائٹی کا
ہی خواہ حقیقی ہوگا - قوم کے بچے قوم کی جائداد بن
جائینگے - ان کی تربیت حقیقی ہوگی نہ کہ نمائشی - ترقی
کرنے کے راستے کھل جائینگے - سائنس و بجلی کی
ایجادات نقصان کی بجائے برکت کا باعث بنینگی -
کیونکہ ان قدرتی طاقتوں کا استعمال بنی نوع انسان
کی بہتری کی طرف رجوع کرے گا - زندگیاں سادہ
و پاک بنتی جائینگی قدرت کے درخشاں اُصول سب
کی رہنمائی کریں گے - انصاف و عدل کی حکومت
ہوگی - اس وقت ہم حقیقی معنوں میں اشرف المخلوقات
کہلائینگے - حیوانوں سے فضیلت پائینگے - بیماریاں
کافور ہو جائینگی - عمریں دراز ہونگی - دولت و ثروت
کا ٹھکانا نہ ہوگا - فارغ البالی کنگالی کی جگہ لے
لیگی - باہمی مسافت و فاصلہ دُور ہو جائے گا - دُنیا
میں ایک ہی کیلنڈر ملیگا - ایک ہی زبان ہوگی - لباس

ایک خیال ایک تہذیب ایک رسم و رواج ایک چاند ایک ۔ زمین ایک ۔ سورج ایک اور آخر سب کا خدا ایک ہوگا ۔ تب ہی ہم سمجھ سکیں گے ۔ کہ اِس دنیا میں کس مُدعا کے لئے ہم انسان بن کر بھیجے گئے تھے ۔ اور اس کا حاصل کرنا بڑا ہی آسان ہوگا ۔ جب خدا مہربان ہوگا ۔ اور ہمارے اعمال ہماری سفارش کرینگے ۔ دُنیا جنت نشان ہوگی اور ہم فرشتہ سیرت انسان ۔ آمین!

# ۱۴ ۔ اِنسان کے دنیاوی فرائض

## ۱ ۔ عبادت یا بھگتی (برہم یجیہ)

دنیا داری میں جو شخص ہم پر ذرا بھی احسان کرتا ہے ۔ جھٹ تھینک یُو بولتے ہیں کیوں ؟ اظہار شکریہ کے لئے گویا اُس کے اِحسان کا اقبال کرتے ہیں ۔ مگر اُس پرماتما کے کِس قدر احسان ہم پر ہیں ۔ ایک اندھے نے کسی سے پوچھا تھا ۔ کہ ایک لاکھ روپیہ لے لو ۔ اپنی آنکھ مجھے دے دو کوئی نہ مانا ۔ اس لئے کہ اِن کی ہم کیا قیمت لگا سکتے ہیں ۔ یہ تو ایک بے بہا اَمول رتن ہیں ۔ اس طرح کان ہاتھ کِس کِس چیز کا نام لیں ۔ اور پھر غذا ۔ پانی ۔ ہوا ۔ آگ سورج چاند

جن کے بغیر ہماری زندگی تلخ ہو جائے - بلکہ ہم زندہ بھی نہ رہ سکیں - اتنی نعمتوں کے باوجود بھی جو خُدا کا شکریہ ادا نہیں کرتا - وہ ناشکر گذاری کا مجرم ہے - جو ہر ایک مذہب میں ایک نہایت ہی ادنے درجہ کا گناہ ہے - اور پھر ایشور کی ہستی سے ہی انکار کر دینا تو اپنے آقا سے صاف بغاوت ہے - کسی گھڑی کو دیکھیں اس کی باقاعدہ گولائی - اس کا ڈائیل اور اس کی باقاعدہ چال سے یہی قیاس کرنا پڑتا ہے - کہ ضرور کسی کاریگر نے محنت سے بنائی خود بخود نہیں بن گئی پیچ پُرزے کاغذ سب کسی مُقرّر ترتیب سے اور سوچ بچار کر رکھے گئے ہیں - اُن کو دیکھ کر خواہ مخواہ کاریگر کے لئے تعریف منہ سے نکلتی ہے - جب اس سنسار کی گھڑی کو دیکھیں سورج کا وقت پر نکلنا - غروب ہونا - چاند زمین کی گردش - موسموں کا تغیر و تبدل دِن رات کا سلسلہ آسمان پر سورج - چاند - ستاروں کی باقاعدہ تنظیم کیا یہ سب دُنیا بغیر کسی کاریگر کے بن گئی ہے ؟ ہرگز نہیں - کیونکہ گھڑی تو کبھی بگڑ بھی جاتی ہے - آخر اِنسان کی محدود طاقت و عقل کا نتیجہ ہے - گاڑیاں ٹکرا جاتی ہیں - اِنسان کی ناقص عقل کبھی کبھی خطا کھا ہی جاتی ہے - مگر اس سنسار کی گاڑیاں ایسی قدرت

کے ماتحت ہیں - جن میں نقص کوئی نکال ہی نہ سکا - کبھی بھی سورج چاند زمین ستارے اپنے قانون کو نہیں چھوڑتے - ورنہ ذرا سی غلطی سے ساری دُنیا پل کی پل میں ہی تباہ ہو سکتی ہے جو پرماتما بچے کے پیدا ہونے سے پہلے دُودھ کا انتظام کرتا ہے - کل جاندار - چرند - پرند - درند اس کی سیوا کے لئے حاضر کرتا ہے - اُس نے سُکھ کے لئے آگ پانی ہوا جیسے دیوتا آدھین کر دیتا ہے - کیا وہ ایسا محسن ہمارے شکریہ کا مستحق ہی نہیں ؟ بچہ ڈر کے وقت ماتا ہی کی گود کا رُخ کرتا ہے - جانوروں و پرندوں تک کے بچے خطرہ کے وقت ماتا کی شرن میں آجاتے ہیں - انسان بھی جب دُکھ یا مصیبت میں پھنستا ہے - تو ماں ہی یاد آتی ہے - اور سخت مصیبت کے وقت پرماتما کا دھیان خود ہی آنے لگتا ہے - مگر کسی نے سچ کہا ہے ؎

دُکھ میں سمرن سب کریں سُکھ میں کرے نہ کو
جو سُکھ میں سمرن کریں دُکھ کاہے کو ہو

افسوس انسان اشرف المخلوقات اپنی میٹھی زبان سے پرماتما کے گن نہیں گاتا حالانکہ پرند علی الصباح و شام روزانہ درختوں پر اُس کا بھجن کرتے ہیں - اگر ہمارے کسی محسن کو ہمارے شکریہ کی ضرورت ہے - اور ہمارا شکریہ ہی اُس کو خوش کر سکتا ہے

تو یقیناً پرماتما بھی ہماری تعریف و ثنا کا مستحق ہے۔ بلکہ ہمارا یہ فرض اولین ہے۔ ایک آدمی نے اپنے ننھے بچے کو تھینک یُو سکھا رکھا تھا۔ جب کوئی مہمان گھر آتا اور اُس کو پیار کرتا تو وہ تھینکس یُو کہہ دیتا۔ سب اُس کی عقل پہ حیران و مداح ہوتے۔ اگرچہ بچہ کو تھینک یُو کے کوئی معنے نہ آتے تھے۔ صرف محل استعمال جانتا تھا یعنہٖ جو ہمارے بھائی اعتراض کرتے ہیں۔ کہ سندھیا یا بھگتی کرنے اور پھر خاص زبان میں کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جیسے ہم آپ نہیں دیکھ سکتے۔ اُن کو اس مثال سے سبق لینا چاہئے کیونکہ پرماتما تو ضرور سمجھتے ہی ہیں۔ چاہے آپ کو کسی زبان کی دُعا کے معنے نہ بھی آتے ہوں مگر آپ کا پاٹھ پرماتما کے گوش گذار ضرور ہو رہا ہے۔ وہ اِن کے معنوں اور آپ کی بھاوناؤں کو خوب سمجھتے ہیں۔ اس میں کوئی شک ہو ہی نہیں سکتا۔ اور آج کل کے زمانہ میں تو ہر ایک سندھیا و پاٹھ کے ارتھ تو کئی کئی زبانوں میں چھپ چکے ہیں۔ یہ کام کئی گنا سہل ہو چکا ہے۔ ویدوں کا سورج رشی دیانند کی کرپا سے طلوع ہو چکا ہے۔ اگر ہم اب بھی سوئے ہی رہیں تو ہم کو ایک دن اس کا اوشیہ ہی جواب دینا ہوگا۔ سندھیا یا بھگتی

کیا چیز ہے - یہ ایک برہم یگیہ ہے - دُنیا میں آکر انسان کے ہوش میں آنے پر یہ اُس کا پہلا فرض ہے - جیسے بچہ جب پہچاننے لگ جاتا ہے - تو ماتا پتا اُسے نمسکار یا نمستے پہلے ہی سکھاتے ہیں اور پرماتما کا نام اُسے رٹواتے ہیں علی الصباح و سانیکال سنان یا جل سے پوتر ہو کر آسن جما کر پربھو کا دھیان لگانا سچی شانتی پہنچاتا ہے - گویا کچھ دیر کے لئے ہم سنسارک جھگڑوں سے الگ ہو کر سچے ماتا پتا کی شرن آجاتے ہیں - یہ ایک آتمک خوراک ہے - جیسے جسم کو کم از کم دو بار دن میں خوراک کی ضرورت ہے - ویسے ہی آپ کی آتما کو بھی ہے - اگر آپ آتما کو خوراک نہ پہنچائینگے - اور صرف جسم ہی کا خیال رکھینگے تو آپ کا آتما دن بدن کمزور ہوتا جائیگا - چاہے آپ کا جسم کتنا بھی مضبوط ہو - نتیجہ یہ کہ آپ صرف پشو یا جانور ہی کہلا سکینگے جن کا کام صرف جسم کو پرورش کرنا ہے - انسانیت آہستہ آہستہ آپ سے مفقود ہوتی جائے گی - آپ پاپ و دھرم - جھوٹ و سچ - بھلائی یا بُرائی میں تمیز نہ کر سکیں گے - وشے وکار و پاپ کے جیون میں سدا مست رہینگے اور آپ کا من ملین ہو جائیگا - اور آپ ہمیشہ دُکھ و فکر کے ساگر میں غرق رہینگے برعکس اِس کے سندھیا کی روزانہ ڈرل سے آپ

کی آتما کا مستقل تعلق پرماتما سے پیدا ہو جائے گا۔ روز مرّہ کے پاپ ساتھ ہی ساتھ دُھلتے جائینگے آپ کی اچھیا دھرم کی طرف لگنتی جائے گی۔ پاپ سے ہٹتی جائیگی۔ وقت آئے گا۔ کہ آپ کو جیون کا سچا آنند محسوس ہونے لگیگا۔ اور آخری اُدیش مکتی کو بھی ایک دن پراپت کر لینگے۔ سندھیا و عبادت میں دل کیوں نہیں لگتا۔ اِس لئے کہ من ہمارے قابو سے باہر ہو چکا ہے۔ جب جنگلی جانور درندہ تک باقاعدہ کی مشق سے سرکس میں حسب منشا کام کرنا سیکھ لیتے ہیں۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ انسان اپنے من کو قابو نہ کر سکے ؎

بڑے موذی کو مارا نفسِ امارہ کو گر مارا
نہنگ و اژدہا و شیرِ نر مارا تو کیا مارا

روز مرّہ کی مشق سے دن بدن آپ کے من کو آہستہ آہستہ خوب آنند محسوس ہوتا جائیگا۔ تو بھگتی کی مٹھاس کی اور رس خود بخود آتا جائیگا۔ آپ صرف اتنی شردھا رکھیں کہ گویا اس وقت آپ پرماتما کے چرنوں میں ہی بیٹھے ہیں۔ قوت اِرادہ کو مضبوط رکھیں اور سب تفکرات کو اس وقت بھول جانے کی کوشش کریں۔ دنیاوی دھندوں و جھگڑوں کو ایک آدھ گھنٹہ کے لئے نہ کر رکھیں۔ آنکھیں بند رکھیں۔ دل کے اندر میں پربھو کو بیٹھا ہُوا دیکھیں

شردھا سے اُس سے پرارتھنا کریں۔ سندھیا بھگتی
کیا چیز ہے۔ ایشور کی اُستتی تعریف اور اس کی
نعمتوں کا شکریہ۔ اُس سے بل۔ بُدھی۔ گیان
بُرے کرموں سے بچنے کی پرارتھنا و مُکتی کی خواہش
کیونکہ وہی پرماتما ہی ہے۔ جو بادشاہ و شہنشاہ
بھی اُس کے دربار میں ماتھا رگڑتے ہیں۔ اس
لئے آپ کو آزادی ہے۔ کہ آپ براہ راست اُس
سے تعلق جوڑ سکتے ہیں۔ اس لئے جتنی جلدی
اور جتنا مضبوط تعلق چاہیں آپ کے ہی ہاتھ میں
ہے۔ صرف مشق کی ضرورت ہے۔ انسانی مُنشیوں
مہنتوں گدی نشینوں کی سفارش وہاں کام نہیں آ
سکتی۔ جب آپ کو اتنی آزادی دی گئی ہے کہ آپ
بلا روک ٹوک۔ جس وقت چاہیں اُس کے دربار
میں رسائی پا سکتے ہیں۔ تو آپ سے بڑھ کر
بے وقوف کون ہو گا کہ جب بادشاہوں کا بادشاہ
ہر وقت آپ سے ملنے کو تیار ہے۔ اور آپ ادھر
رُخ ہی نہیں کرتے۔ آپ اپنی تکلیفات دُکھ آشائیں
کامنائیں دِل کھول کر پوتر ہردے سے شردھا بھگتی
سے اُس کے سامنے رکھیں اور اُس کو پرسن کریں
یہ کبھی بھی نہیں ہو سکتا کہ آپ کے صاف دِل سے
نکلی ہوئی پرارتھنا خالی جاوے۔ آپ کی درخواست
ضرور سنی جائیگی۔ صرف وشواس چاہیئے۔ وہاں نہ
ٹکٹ لگے نہ کورٹ فیس نہ وکیل کی حاجت نہ عرضی

نویں کی ضرورت۔ مگر پھر بھی آپ غافل ہی رہیں تو
اس میں کس کا قصور ہے۔ ستسادک مہاتماؤں
کے درشنوں کے لئے آپ بڑا کشٹ اٹھا کر
کرایہ ریل اور دیگر خرچ برداشت کر کے بھی پہنچتے
ہیں۔ مگر جو مہاتماؤں کا مہاتما ہے۔ اور آپ
کے دل کے مندر میں بیٹھا ہے۔ اُس کا درشن
آپ کرتے ہی نہیں۔ دع

لڑکا بغل میں ڈھنڈورا شہر میں

سچ مچ ہماری ایسی ہی حالت ہے۔ تبھی تو ہم نعوذ
مرہ سکھ سے دور جا رہے ہیں۔ دکھ ہم کو
گھیرتا چلا جاتا ہے۔ وشواش شردھا بھگتی جب سے
ہم سے چھوٹے ہیں۔ تب ہی سے ہم بھٹک رہے
ہیں۔ اور انیک دکھوں میں غرق ہیں۔ پرماتما کی
نعمتیں دن بدن ہم سے دور بھاگتی چلی جاتی ہیں
اور ہم بیٹھے قسمت ہی کو رو رہے ہیں۔
اُٹھ جاگ ابھی وقت ہے۔ جیون کو سپھل بنا۔
اپنے آدرش و منزل مقصود کو کبھی فراموش نہ
کر۔ سورج کے نکلتے و ڈوبتے وقت پربھو کی
شرن جا۔ صاف مرے و پریم سے اُس کا
بھجن کر۔ اُس کی گود میں بیٹھ کر اپنی دل کی
کلی کھول دے۔ کچھ بھی اُس سے نہ چھپا۔ کئے
پاپوں پر پشچاتاپ کر۔ بل بدھی گیان کے لئے
پرارتھنا کر وہ اوشیہ ہی آپ کے سر پر کرپا کا

ہاتھ پھیرینگے۔ آپ کو ضرور سہارا دینگے ع
نہ ہو اُس سے مایُوس اُمیدوار

کیوں کہ وہی ہمارے سچے ماتا پِتا ہیں۔ اُن کو ہم سے پریم و محبت ہے۔ اور سنسارک ماتا پِتا سے کہیں بڑھ کر۔ صرف ضرورت یہ ہے۔ کہ جب تک بچّہ نہ روئے اور جب تک رینگتا ہؤا ماتا کے پاس نہ جائے۔ اس کو یاد ہی نہ کرے۔ تو اُسے دُودھ کیسے مُیسّر ہو؟ مگر پرماتما ایسے دیالُو ہیں کہ ہمارے پاپوں کو دیکھتے ہوئے بھی پالن پوشن کرتے جاتے ہیں۔ جس قدر مہاتما و بھگت سنسار میں ہوئے سب نے اُس کا سہارا لیا۔ مگر افسوس کہ لوگ جس شردھا سے اُن مہاتماؤں کے پیچھے دوڑے اُس سے آدھی شردھا سے بھی پرماتما کا سمرن کرتے تو ان ہی کی طرح مہاتما بن جاتے۔ مگر سنسارک مہاتماؤں کی تلاش میں ہم نے ایشور کو تو سچ مچ بھُلا ہی دیا ہے۔ اور اس لئے دُکھ کے بھاگی بن گئے دُکھوں سے بچنے کا۔ پاپ سے چھٹنے کا یہ آسان ترین نسخہ ہے کہ دونو وقت گذشتہ پاپوں کو یاد کر کے افسوس کرو آئندہ کے لئے نیک بننے کی کوشش کرو۔ جب دونوں وقت دن میں ایشور کے روبرو آپ ایسا اقرار کرتے جائینگے۔ اتنی مشق ہو جائیگی۔ کہ از خود آپ کا دِل پاپ سے گھبرانے لگیگا۔ اور اُس کی اور مقناطیس کی طرح کھچنے لگیگا۔ چند ہی دنوں میں آپ

ایسا آنند محسوس کروگے کہ آپ کا دِل روز بروز زیادہ دیر بیٹھنے کو چاہے گا۔ اس کو اگر آپ آزمائیں تو فائدہ ہی فائدہ ہے۔ خطرہ یا نقصان کوئی بھی نہیں۔ نہ آزمائیں تو اس میں پرماتما کا کیا قصور۔ سوُرج سر پر کھڑا ہے۔ اور اگر اب بھی آپ سوتے ہی رہے۔ تو سوُرج کا کیا بگڑیگا۔ آپ اپنا ہی جیون نشٹ کر رہے ہیں اور عاقبت خراب کر رہے ہیں۔ اس لئے جب دُکھ ومصیبت میں ڈوب کر غوطے کھانے لگوگے۔ اُس وقت آپ کو پچھتانا ہی پڑیگا۔ وقت پر جو کسان سو جاتے ہیں۔ زمین تیار نہیں کرتے۔ ہل نہیں چلاتے۔ بیج نہیں بوتے۔ پھر اسے پانی دیکر نگہبانی نہیں کرتے وہ فصل کی توقع ہرگز نہیں رکھ سکتے۔ جس نے پرماتما کو پا لیا۔ اُس نے سب کچھ پا لیا۔ ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں آ جاتا ہے۔ چھوٹے موٹے افسران کی خوشامد کرکے جب ہم اس دُنیا میں آرام پا لیتے ہیں۔ تو پربھو بھگتی میں کیوں نہ دل لگائیں۔ جب کہ یہ مُفت کا سودا ہے۔ جس وقت آپ کے دِل کی تاریک کوٹھڑی میں ایشور بھگتی کا پرکاش ہوُا۔ سچی خوشی آپ کے دل میں ہر وقت موجزن رہے گی سنسار کا دُکھ سُکھ آپکا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔ تمام مخلوق خدا سے آپ کا پریم بڑھنے لگے گا۔ ایکانت نواس

کو جی چاہے گا ۔ چہرے پر دِن بدن تیج آنکھوں میں نور ۔ دِل میں سُرور اس سے بڑھ کر مقناطیسی کشش پیدا ہو جائیگی جو آپ کو دیکھیگا ۔ آپکی بھگتی کی کرنوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکیگا اور لوگ آپ کو سچا بھگت و مہاتما جان کر درشنوں کو دوڑینگے ؟

## ۲ ۔ دیو یجیہ (دیوتاؤں کی سیوا)

پرماتما کے متعلق آپ کا فرض ادا ہُوا ۔ اب آگ ہوا ۔ پانی ۔ وغیرہ دیوتاؤں کو لیجئے ۔ یہ ہمارا بڑا اُوپکار کرتے ہیں ۔ دُنیا کے کام ۔ ان کے بغیر نہیں چل سکتے ۔ انسان سنسار میں آکر سانس سے ہوا کو خراب کرتا ہے ۔ مل موتر تیاگ کر بھُومی کو اشُدھ کرتا ہے ۔ سنان کرنے و کپڑے دھونے سے جل کو اپوتر کرتا ہے ۔ گھر کا کوڑا کرکٹ گندگی وغیرہ باہر پھینکنے سے بھی ہوا میں بدبُو بڑھتی ہے ۔ ان کے بدلہ میں ہمارا فرض قرار دیا گیا ہے ۔ کہ اتنی ہی پاکیزگی ہم پھیلا دیں ۔ جیسے رات کے اندھیرے کے بعد سُورج کے نکلتے ہی یہ اپنے پرکاش سے سب چیزوں کو روشن و پوتر کر دیتا ہے ۔ آندھی بارش سے قدرتی صفائی ہو جاتی ہے ۔ اِسی طرح ہمارا بھی بہ حیثیت اِنسان فرض ہے ۔ کہ ہم جنیجہ

اتنی گندگی کا روز مرّہ اضافہ کرتے ہیں۔ تو اس
کے مُقابل میں صفائی کا روز مرّہ کوئی انتظام ہو
اس کا سہل ترین طریقہ ہمارے دھرم شاستروں
میں دیو یگیہ کا بتلایا گیا ہے۔ اگنی میں وید منتر
پڑھکر جو ہماری شردھا و پرارتھنا و بھگتی کا اظہار کرتے
ہیں۔ ان۔ گھی۔ مٹھاس۔ پھل پھول و خوشبودار
چیزیں ڈال کر ہون کریں اور آہوتیاں دیویں۔
اِن شبدوں و منتروں میں بار بار اِدَن مم کا لفظ
ہمیں بتاتا ہے کہ چیزیں جن کی ہم قربانی آگ میں
کر رہے ہیں۔ یہ ہماری نہیں تھیں۔ بلکہ پرماتما
کی دی ہوئی تھیں اُس کے نام پر ہم آگ کو دے
رہے ہیں۔ آگ کے لئے بھی اِدن مم ہے یعنی
وہ بھی اپنے پاس نہیں رکھتی یہ سب ہوا میں ملتی
ہیں۔ چاروں طرف کُرہ ہوائی صاف ہو جاتا ہے۔
خوشبویات کی لپٹیں آتیں ہیں۔ طبیعت خوش و
دماغ معُطّر ہو جاتا ہے۔ ہوا بھی یہ چیزیں اپنے
پاس نہ رکھ کر بادلوں میں بھیج دیتی ہے۔ وہ
بھی اپنا مال نہ سمجھ کر اسے بارش کے ذریعے
زمین کو لوٹا دیتے ہیں۔ زمین صاف و پوتر ہونے
کے علاوہ ان رسوں کو جذب کر لیتی ہے۔ پھر
یہ بھی اپنے پاس نہیں رکھتی۔ وہ اِن کو نباتات
و بنسپتی جو زمین سے سبزی ترکاری و اناج اُگتے
ہیں۔ اُن میں بھیج دیتی ہے۔ اور پھر یہی نباتات

اِن رسوں کو لے کر ہماری د پشوؤں کی خوراک بنتے ہیں۔ اس طرح گویا ہماری آگ کی معرفت بھیجی ہوئی چیزیں دُوسری شکل میں پھر ہمارے ہی پاس آکر ہمیں طاقت بخشتی ہیں۔ جب تک یہ طریقہ جاری رہا۔ ہوا۔ پانی۔ آگ۔ زمین سب انسان کے لئے لابھ دائک رہے۔ مگر جب سے یہ فرض انسان بھُول بیٹھا۔ نہ جل ایسا صاف رہا۔ نہ ہوا۔ اور نہ ہی بھُومی میں پوترتا رہ گئی نتیجہ یہ ہونے لگا۔ جو قدرتی ہی تھا۔ کہ چاروں طرف بیماریاں۔ وبا اور دُکھوں نے ہمیں گھیر لیا۔ عُمریں گھٹ گئیں۔ زمین میں وُہ طاقت نہ رہی ہماری خوراک ونباتات دِن بدن غلاظت کے بڑھنے سے بجائے امرت کے وش یعنی زہر بن گئی۔ تمام اشیا جو سُکھ کا کارن ہو سکتی تھیں اور اِسی لئے پرماتما نے اُن کو پیدا کیا تھا۔ اُنہیں ہم نے اپنے فرض میں غفلت کرنے سے دُکھ کا سبب بنا لیا اور یہ نہ سمجھا ؎

خود کردہ را علاج چیست؟

ہر ایک آدمی کا فرض ہے۔ کہ اپنے گھر میں جیسا کہ دو وقت کھانا پکتا ہے۔ وَیسے دو وقت ہوَن بھی کرے کیوں کہ روز مرّہ جب اپنے سانس وگندگی وغیرہ سے ہم ہوا پانی و زمین کو گندہ کرتے ہیں۔ تو جب تک قانون قدرت کے مطابق اِس

کے مقابلہ میں اتنی ہی پاکیزگی و خوشبویات ہوا
میں نہ ملاینگے - تو کرۂ ہوائی دن بدن ہمارے
جانوروں و زمین کے لئے زہریلا ہو جاوے گا -
اور آخر ایک نہ ایک دن کوئی بیماری یا وبا آکر
ہم کو نوٹس دے گی - اور ہم پھر بھی نہ جاگینگے؟
تو کئی انسانی جانوں کا خاتمہ کر جائے گی - اور
ملک میں بیماری گھر بنا ے گی ؟ - ایک انفلوئنزا
ہی سے ۱۹۱۸ء میں صرف ہندوستان میں دس
لاکھ آدمی مر گئے تھے - ہیضہ پلیگ - چیچک -
تو گویا ہندوستان میں گھر کئے بیٹھے ہیں - اور
نکلنے کا نام ہی نہیں لیتے - کیا وجہ ہے کہ اتنے
ہسپتالوں و ڈاکٹروں کے ہوتے ہوئے بھی یہ امراض
دنیا میں ترقی ہی کرتی چلی جاتی ہیں - اس کی
وجہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں - کہ ہم
نے قانون قدرت کو نہیں سمجھا - خیال کرو اگر
آپ اپنے کپڑوں کو صاف نہ کریں - روز مرّہ نہ
نہائیں - گھر میں صفائی نہ رکھیں - تو اس کا نتیجہ
سوائے بیماری کے اور کیا ہوگا - خوراک صاف
و مقوی نہ کھائیں تو دیدہ دانستہ کمزور و بیمار
ہونگے - ٹھیک اسی طرح جیسے کپڑوں جسم و
خوراک کا پاک صاف رکھنا ضروری ہے - اس
سے بڑھ کر کرۂ ہوائی - پانی و زمین کو صاف
رکھنے کی ضرورت ہے - جس سے کہ ہم اپنی خوراک

و پوشاک حاصل کرتے ہیں - بعض نادان
یہ کہتے ہیں کہ گھر میں ہی خوشبویات کیوں
نہ رکھ چھوڑیں - ان کو یہ پتہ نہیں کہ اس
میں تو آپ ہی کے گھر میں خوشبو بند رہیگی -
اور یہ سارا صفائی کا عمل از خود نہ ہو سکے گا -
کرہ ہوائی میں قدرتی طریق سے اسے منتشر نہ
کر کے نہ ہم نے اسے بادلوں تک پہنچایا اور
نہ ہی اسے زمین حاصل کر سکی - اور نہ ہی ہماری
خوراک میں ان کے عناصر آئے - خوشبو تو خیر رکھ
چھوڑی - پھر میوہ جات گھی اور میٹھی چیزیں اوپر
کیسے چڑھادیں - اور دوسرا اُس عمل سے تنگدلی
و خود غرضی ہی ظاہر ہوگی - یگیہ یا قربانی نہ
ہوئی - خیال کرو - ایک مرچ ہمارے گھر میں
پڑی ہے - وہ اتنا نقصان نہیں دیتی -
لیکن وہ مرچ ہزاروں کے مجمع میں آپ ذرا
آگ پر ڈال دیں سب کے سب چھینکنے لگ
جائینگے - وجہ یہ کہ تھوڑی سی مرچ اب سارے
کرۂ ہوائی میں ہمارے گرد آگ کے ذریعہ پھیل
چکی ہے - ٹھیک اسی طرح کہیں بھی طاقت
بخش اشیا گھی میوے و خوشبودار چیزیں و پھل
پھول آگ میں ڈال دینگے - وہ کرہ ہوائی میں
جاکر تمام انسانوں ہی کے لئے مفید نہ بنینگے -
بلکہ حیوانات و جانوروں پرندوں کے لئے بھی

کیونکہ پانی - ہوا - زمین وغیرہ صاف ہو جائیں گے اور پھر لطف یہ کہ یہ تمام چیزیں - جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے - ویسی کی ویسی واپس نباتات کے ذریعے مل جائینگی - ذرا سوچو تو سہی اگر کسان یہ فرض کرے کہ میں جتنا یہ بیج زمین میں ڈال رہا ہوں - یہ محض ضائع ہی کر رہا ہوں اور اس کام کو بند کر کے بیٹھ جاوے تو کل فصل کی اُمید کیسے رکھے گا؟

ٹھیک اسی طرح وہ سب بے وقوف ہیں - جو یہ کہتے ہیں - کہ ہم گھی پھل پھول و قیمتی اشیا آگ میں ڈال کر گویا ضائع کر رہے ہیں - سائنس نے یہ بھی بات ثابت کر دی ہے - کہ اس دنیا میں کوئی چیز گم نہیں ہو جاتی - یا نابود نہیں ہو سکتی - بلکہ کسی نہ کسی شکل میں تبدیل ہو کر موجود رہتی ہے - باقی رہا خرچ کا سوال - یہ عذر بالکل فضول ہے - کہ ہمارے پاس خوراک کے لئے پیسے تو ہیں - مگر کپڑے دھونے کے لئے نہیں - یا یوں کہو کہ ہوا - پانی وغیرہ کی صفائی کے لئے کچھ نہیں یہ محض تنگ دلی و ناشکر گذاری ہے - اور اس کا خمیازہ قانون قدرت سے ہم کو بھگتنا ہی پڑیگا - اس سے ہم کسی صورت میں بھاگ نہیں سکتے - یعنی جتنے پیسے ہم کو اس ہون و پاکیزگی پر خرچ کر کے ہوا

و پانی کو صاف بنا کر اپنے تئیں تندرست رکھنے
ہیں خرچ ہوتے ۔ اُس سے کئی گنا بیمار ہو کر
ڈاکٹروں کی فیسوں اور ادویات کی قیمتوں میں
دینے پڑتے ہیں ۔ اور مجبور ہو کر ہم خرچ
ضرور کرتے ہی ہیں ۔ آج کل ہر ایک گھر ایک
خاصہ ہسپتال بنا ہؤا ہے ۔ مگر پھر بھی ہم کو
اتنے مریض کیوں نظر آتے ہیں ۔ اس کا صرف
ایک ہی سبب ہے کہ ہم قانون قدرت کی مخالفت
کر رہے ہیں ۔ اگر آج بھی ہم اس پر عامل
ہو جائیں ۔ تو یقیناً بیماریاں عشر عشیر بھی نہ
رہیں ۔ ہم دن بدن تندرست و توانا ہوتے جاویں
اور عمریں بھی پہلے زمانے کی طرح دراز ہوتی جاویں
اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو گا ۔ کہ پلیگ کے
دنوں میں جب لاہور میں وسیع پیمانہ پر ہون
کا انتظام کیا گیا تو چند دنوں میں ہی پلیگ
بند ہو گئی ۔ جہاں مرضی کمائے تجربہ کر کے دیکھ
سکتے ہو ۔ اور خود سرکار بھی پلیگ کے دنوں
میں دوائیوں کیرزول گندھک وغیرہ کو آگ
میں ڈال کر مکانات کی صفائی کرتی ہے ۔
ہون دو بار کرنا ہمارے لئے ایسا ضروری ہے
جیسے خوراک کھانا ۔ اور فضلہ خارج کرنا ۔ ان
دو کاموں میں ذرا سا ہرج واقعہ ہو جانے سے
جب آدمی بیمار و کمزور ہو جاتا ہے ۔ تو کوئی وجہ

نہیں کہ تیسرے لازمی فرض یعنی ہون نہ کرنے
سے وہ بیماری. دُکھ میں پھنسے - کہتے ہیں - ایک
دفعہ نادر شاہ دہلی میں آ کر سخت بیمار پڑ گیا
اُس کے جبڑے بند ہو گئے - کوئی دوائی اُس
کے حلق سے نہیں اُترتی تھی - آخر ایک حکیم
نے آ کر جو دوائیاں اُسے کھلانی تھیں - اُن کو
آگ پر ڈال کر اُس کا دھواں ہی پہنچایا - نتیجہ
یہ کہ نادر شاہ ہوش میں آ گیا گویا جو دوائیاں
حلق سے نہ اُتر سکیں وہ باریک ذرات میں
دُھوئیں کی صورت میں آگ میں ڈال کر سانس
کے ذریعے اندر جا کر اثر انداز ہو گئیں - کوئی
وقت تھا - جب کہ گھر گھر میں ہوَن تھا -
بیماری کا نام کوئی نہ جانتا تھا - عمریں بھی
لمبی ہوتی تھیں - انسان قد آور مضبوط و توانا
ہوتے تھے - نہ اتنے ڈاکٹر تھے - نہ ہسپتال
پھر بھی قدرتی عمر بھوگ کر ہی آدمی مرتے تھے۔
مگر آج کل کی مردم شماری کی رپورٹ پڑھ کر
رونا آتا ہے - کہ بوڑھوں سے کئی گنا زیادہ
بچّے اور جوان مر رہے ہیں - کیا وجہ ہے - کہ
وہ اپنی عمریں پوری نہیں کرتے - حالانکہ قانون قدرت
ہے کہ ہم کم از کم سو سال تک جیئیں - اور ایسا
ہی ہم روز مرہ سندھیا میں بھی پرارتھنا کرتے ہیں
مگر جب علم کے ساتھ عمل نہ ہو تو خالی نسخہ کا جان

لینا کیا کرے گا - جب تک اُس دوائی کا استعمال
نہ کیا جاوے روزمرہ کے ہوَن کے علاوہ لوہڑی
کے تیوہار کے موقعہ پر شہر کی گلیوں بازاروں چوکوں
اور کھلے میدانوں میں ایسا ہی دیگر تیوہاروں پر
بھی بڑے بھاری اعلےٰ پیمانہ پر ہوَن ہوتے تھے
لوہڑی کا تیوہار تو صرف ہون کے لئے مخصوص تھا
ہر ایک گھر کا فرض ہوتا تھا - کہ اس یگیہ میں کچھ
نہ کچھ حصّہ لے اِس کی یادگار دُھندلی سی ابھی تک
قائم ہے کہ برہمچاری لڑکے گھر گھر سے لکڑیاں اکٹھی
کرتے ہیں - تل - شکر - میوے - اناج ڈالے جاتے
ہیں - اگرچہ گھی کچھ کم ہی دیکھنے میں آتا ہے -
وجہ یہ تھی کہ اِن دِنوں چنا - جو - گندم کی فصلیں
کھیتوں میں اُگ رہی ہوتی ہیں - اور ان کے لئے
بارش کی ضرورت ہوتی ہے - یہی اشیا ہیں جن پر
ہماری خوراک کا دارو مدار ہے - اس لئے ہوا کے
صاف کرنے کے علاوہ اس میں میٹھی طاقت بخش
مقوی اور خوشبودار اشیا ڈال کر گویا کرّہ ہوائی میں
بیماریوں کے روکنے کو مصالحہ بھیجا جاتا تھا - جو
بارش کے ذریعہ زمین میں آکر اِن کے اثرات و
رس نباتات میں آجاتے تھے - نتیجہ یہ ہوتا تھا -
کہ جب یہ اَن تیّار ہو کر گھروں میں آتا تھا -
اور لوگ یا جانور کھاتے تھے - تو یہ نہ صرف اُن
کو طاقت دیتا تھا - بلکہ بیماریوں کو روکتا تھا - جیسا

اُنّ ویسا منّ کے مصداق ایسا پوتر و صاف بھوجن کھا کر اُن کے خیالات بھی نیک و آچار بھی شدھ رہتا تھا۔ ہندو دھرم میں تو کوئی سنسکار نہیں۔ جس میں پہلے ہوَن نہ کیا جاوے۔ کوئی پرارتھنا یا یگیہ یا بیوہار خوشی غمی کا موقعہ ایسا نہ ہوتا تھا۔ جس میں ہون نہ کیا جاتا۔ مثال کے طور پر جب راجہ دشرتھ جی کے گھر پُتر نہیں ہوتا تھا۔ تین رانیاں ہوتے ہوئے بھی تو آخر اُنھوں نے پُتریشٹی یگیہ کیا۔ اور تینوں رانیوں سے چار پُتر ہوئے۔ اور ایسے پُتر ہوئے۔ جن کی مثال آج ملنی مشکل ہے۔ اُن کا نام ہرسال یاد کیا جاتا ہے۔ آج کل بھی بیماریوں کے موقعہ پر یگیہ کرتے ہیں۔ مگر اس کا مطلب صرف غریب محتاج لوگوں کو کھانا کھلا دینا ہی جانتے ہیں۔ حالانکہ اس کے ساتھ ساتھ آگ کے ذریعے پوتر و طاقت بخش اشیا و گھی کا ہوم کرنا بھی ضروری ہے۔ تا کہ پانی ہوا زمین جراثیم سے پاک ہو جائیں ہر ایک انسان کے کندھوں پر مجلسی فرض ہے۔ اگر کوئی بھی اس سے غفلت کرتا ہے۔ تو نہ صرف اس کی خود ہی سزا بھگتتا ہے۔ بلکہ اور بھائیوں کو بھی تکلیف پہنچاتا ہے۔ اس لئے چاہے ہماری آمدنی کتنی ہی تھوڑی کیوں نہ ہو۔ آخر ہم خوراک کا بندوبست کسی نہ کسی طرح کر ہی

بنتے ہیں۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ خوراک کے
سامان میں سے تھوڑا تھوڑا لے کر اگنی میں روزانہ
ہَون مقرر طریق سے نہ کریں۔ اس طرح نہ صرف
ہم اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاوینگے۔ بلکہ
ہماری غفلت سے اور بھی کوئی بیمار نہ ہوگا اور
پھر لطف یہ کہ ہم بھی بیماری سے بچے رہیں گے
پریوار سُکھی رہے گا۔ نہ ڈاکٹر کی فیس نہ دوائیوں
کا خرچ۔ یہ تو ایک حساب کتاب کی بات ہے
مگر افسوس کہ تعلیم یافتہ آدمی بھی اس بھید کو
نہ جان کر مفت میں قیمتی جانوں کا نقصان کر
رہے ہیں۔ قانون قدرت تو اٹل ہے۔ اس میں
آپ ذرا بھی غفلت کرینگے۔ یہ آپ کے لئے
نقصان دیہہ بن جائیگا۔ حالانکہ پرماتما نے اسے
آپ کے فائدہ ہی کے لئے بنایا تھا۔ اب بھی
اگر آپ قانون قدرت کی پیروی کر کے اس فرض
کو آپ پورا کرنا شروع کر دیں تو تندرستی۔ درازی
عمر خوشی و سچا سُکھ آپ کی سیوا کے لئے خودبخود
یہ پرماتما کی نعمتیں حاضر ہو جائینگی۔ یہ تو پہلے
بھی آپ کے اِرد گرد موجود تھیں۔ مگر ان کو آپنے
بلایا ہی نہیں۔ اور یہ آپ کی سمجھ کا قصور ہے +

## ۳- پتری یگیہ (بزرگوں کی خدمت)

ماتا پتا و بزرگ جنہوں نے ہم کو پیدا کیا کشٹ

اُٹھا کر ہمیں پالا پوسا بڑا کیا - تعلیم دی - روزگار کے قابل بنایا - اُن کی خدمت کرنا بھی ہم پر فرض ہے حلوے پوری و کھیر کھلانے اور قیمتی چیزیں خیرات کرنے سے یہ مُدعا ہرگز پورا نہیں ہو سکتا - جس قدر اُن کے دیکھتے اور جیتے جی آپ اُن کو پرسن رکھ کر اُن کی اسیس و دُعا لے کر آپ دنیا میں ترقی کر سکتے ہیں - اُن کے مرنے کے بعد اس بات کی کوئی رسید نہیں کہ یہ اشیا آپ کی اُن کو مل بھی رہی ہیں - آپ جو چیزیں محض لوگوں کو دان میں کھلا پلا رہے ہیں - اس کا فائدہ آپ ہی کو ہو سکتا ہے - آپ کے مرے ہوئے بزرگ اس سے مستفید نہیں ہو سکتے - البتہ وہ جیتے جی اگر آپ سے خوش رہے - اور آپ نے حتی الامکان اُن کی تن دل سے خدمت کی تو اُن کی دعا ہر وقت آپ کے ساتھ شامل ہے - نہایت افسوس کی بات یہ ہے کہ مغربی تعلیم کے ساتھ ماتا پتا کی تعظیم و توقیر پس انداز ہو رہی ہے - یہ آزادی کے غلط معنی لینے سے ہے - سچی آزادی تو یہ ہے - کہ جس طرح اُنہوں نے ہمارے لئے جوانی میں تکالیف سہیں بڑا کر کے تعلیم دلا کر آج روزگار کے ہمیں قابل بنا دیا - آج اُن کا یہ قرض ہماری گردن پر ہے - اگر آپ اُن کی خدمت کر کے اس کا معاوضہ نہیں دیتے تو یقیناً آپ دنیا میں کبھی سرخروئی حاصل نہیں کر

سکتے ۔ ے

یہ سودا دست بدستی ہے   اِس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

اگر آج آپ اپنے ماتا پتا و بزرگوں کی عزت نہیں کرتے تو یقیناً کل آپ کی سنتان بھی آپ کی خدمت نہیں کرے گی ۔ قانون قدرت ہے ۔ جیسا بوؤگے ویسا کاٹوگے ۔ اگر تم جو بوتے ہو تو گندم کی فصل کی اُمید نہیں رکھ سکتے ۔ آج کل بہت سے فلاسفر ڈاکٹر، بیرسٹر و کمشنر اس سیدھے سادھے قانون قدرت کو نہ سمجھ کر دنیاوی حشمت کے نشہ میں اپنے ماتا پتا و بزرگوں کی پرواہ نہیں کرتے ۔ اور اُن کا نرادر یا اُپمان بھی کر بیٹھتے ہیں ۔ اُن کے اُپکاروں کو اتنی جلدی بھول جاتے ہیں ۔ اور پھر اپنی سنتان کی سرکشیوں اور نافرمانیوں و آزادیوں کی شکائتیں کرتے نہیں تھکتے ۔ آپ ذرا خیال تو کریں ۔ اور اپنے دل سے سوچیں کہ کیا آپ کی خوراک پوشاک و رہن سہن اپنے ماتا پتا و بزرگوں سے کہیں بڑھ کر بدرجہا بہتر نہیں ہے؟ کیا یہ انصاف ہے کہ اُن کے لئے تو سادہ خوراک و سادہ پوشاک کا اُصول ہو ۔ اور آپ کے لئے فیشن ایبل چیزیں چاہئیں ۔ ماتا پتا کو اُن کی زندگی میں آپ جتنا خوش و پرسن رکھینگے ۔ اس کا پھل آپ کو اپنی سنتان ہی سے مل جائیگا ۔ یہ ایک اٹل قانونِ قدرت ہے ۔ چاہے آپ اس کو

مانیں یا نہ مانیں - مگر ایسا ہو کر ہی رہیگا - دھرم و پراچین تہذیب کا تقاضا یہ ہے - کہ ماتا پیتا جب تک بھوجن نہ کریں - ہمیں کوئی حق نہیں ان کی خواہش کے مطابق اُن کی زندگی کی ضروریات کو دھرم انوکول پورا کرنا نہ صرف ہمارا ایک فرض ہے - بلکہ یہ ایک قرض ہے - جس سے ہم سبکدوش ہو جائیں تو بہتر ورنہ ہم کو معہ سُود در سُود ایک نہ ایک دن ادا کرنا ہی ہے - چاہے آپ یہاں ہی کر دیں - چاہے کسی اور جگہ خوشی سے یا ذلّت سے یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے - ع

چہ کارے کُند عاقل کہ باز آئد پشیمانی

بیماری و تکلیف میں ماتا پتا کی سیوا کرنا اُن کی اشیر واد خرید لینا ہے - بار ہا دیکھا گیا ہے - جب ماتا پتا ضعیف یا بیمار ہو جاتے ہیں - تو اُن کی سیوا تو کجا اُن سے نازیبا سلوک روا رکھا جاتا ہے - نہ صرف لڑکے ہی بلکہ پوتے و بہوئیں بھی ناک بھوں چڑھا لیتی ہیں - وہ بھول جاتے ہیں - کہ یہ ایسا مرحلہ ہے - جو اُنہوں نے بھی ایک دن ضرور طے کرنا ہے - شرون کمار کی ماتا پتا بھگتی کو یاد کرو - مریادا پرشوتم رامچندر جی کی مثال کو ہمیشہ سامنے رکھو اور بزرگوں کا ادب و احترام کرو - آپ یش کے بھاگی بنیں گے - دنیا میں آپ کی عزت بڑھے گی - پرماتما خوش ہوگا

ورنہ آپ کی قسمت پھوٹ جائیگی - اور آپ لاکھ افسوس کرینگے - مگر یہ وقت آپ کے ہاتھ پھر نہ آوے گا - ع

اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت

# ۴ - اتتھی یجیہ (مہمان نوازی)

انسان کو پرماتما نے اشرف المخلوق بنایا - اس لئے - اگر وہ صرف اپنی ہی خوشی غمی میں مست ہے تو وہ محض ایک حیوان ہے - جب دوسرے انسانوں کے لئے ہمدردی و درد اُس کے دِل میں نہیں تو وہ کیا اِنسان ہے - پُرانے زمانے کی کئی مثالیں ہم سُنتے ہیں کہ آدمی کھانا نہیں کھاتے تھے - جب تک کوئی مُسافر یا مستحق فقیر و سادھو مہاتما اُن کے گھر سے بھوجن نہ پا لیتا - یہ ایک اعلےٰ درجہ کا معیار ہے - مگر ہمارا یہ ایک فرض ہے کہ ہمارے گھر کے روزانہ کھانے میں اتتھی کا حِصّہ شامل ہے - یعنی ایسا آدمی جس کے آنے کی کوئی تاریخ مقرر ہے یا نہیں - وہ آپ سے کچھ غرض رکھتا ہے - یا نہیں - آپکو اس سے کسی فائدہ کی توقع ہے یا نہیں - ان سب باتوں کو نظر انداز کر کے ایک انسان کی حیثیت میں آپ کا فرض ہے - کہ جب ایسا مستحق آدمی

آپ دیکھیں جو بھوجن کا ادھکاری ہے۔ اُسے
اپنے گھر پر لاکر نہایت شردھا و بھگتی سے اُسے
بھوجن کھلاویں۔ دُنیا میں ہمارے ٹکڑوں سے
ایسے لُولے۔ لنگڑے۔ اپاہج۔ یتیم۔ محتاج
بیواؤں کی کوئی کمی نہیں۔ یہ سب انتھی سیوا
کے مستحق ہیں۔ اس سے بڑھ کر اُن برہمنوں
پنڈتوں۔ سادھوؤں۔ سنیاسیوں کا حق ہے۔
جن کے اپنے گذارے کی کوئی سبیل نہیں۔
اور وہ سارا جیون پروپکار میں لگا رہے ہیں
اس لئے گرہستیوں کا دھرم ہے۔ کہ اُن کی
خوراک پوشاک و ضروریات کا از خود ہی خیال
رکھیں۔ تاکہ اُن کو مانگنے کی ضرورت ہی
پیش نہ آئے۔ جب کوئی ایسا بھدر پرش آپ
کے نگر میں آتا ہے۔ آپ کا فرض ہے۔ کہ
آپ اُس سے اُپدیش سُنیں۔ اور اس کے گذارہ
کا بندوبست کریں۔ جو سادھو یا دھرماتما آدمی
کسی دیش یا نگر میں آکر بھوکا رہ جاتا ہے
تو اُس کا پاپ سارے شہر والوں کی گردن پر
ہے۔ اُنہوں نے قانون قدرت کی مخالفت کی ہے
اور اس کی سزا اُن پر کسی نہ کسی شکل میں ضرور
وارد ہوگی۔ ایسے ہٹے کٹے آدمی جو خود کما
سکتے ہیں۔ اور دھرم یا پر اُپکار کا کوئی
کام نہیں کرتے۔ چرس۔ بھنگ۔ گانجا

ابہم دِشنے دکانوں میں زندگی تباہ کر رہے ہیں۔ اپنے ماتھے پر صرف برہمن یا سادھو یا فقیر کا نام دھر کر وہ اس دان کے ہرگز ہرگز مستحق نہیں۔ جب تک اُن کا صرف ایک پاپ سے بھرا جیون ہے۔ وہ کبھی ستکار کے یوگیہ نہیں۔ ع

بن مانگے موتی ملیں مانگے ملے نہ بھیک

آج سنسار میں ان مہاتماؤں کی قدر ہے۔ جنہوں نے اپنا جیون پر اوپکار میں سواہا کر دیا ہے۔ سنسار کے منش اُن کو اپنے سروں پر بٹھانے کو تیار ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ یوگی راج کرشن چندر جی و مریادا پرشوتم سری رامچندر جی کا نام برہمن تک بھی آج تک جپتے ہیں۔ حالانکہ وہ کھشتری تھے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے جیون سے ثابت کر دکھایا ہے۔ کہ مکمل انسان فرائض کو کیسے پورا کرتا ہے۔ اِس لئے ہم کو اُن کے نقش قدم پہ چل کر ہی زندگی کو سپھل بنانا چاہئے ✦

## ۵- بلی ویشودیوگیہ (جانوروں سے پریم)

انسان کی اُلفت و محبت انسانوں تک ہی محدود نہیں بلکہ کیڑے۔ پتنگ۔ چرند۔ پرند ہمارے گھر میں گائے۔ بیل۔ گھوڑا۔ کتا۔ بلی وغیرہ ہیں۔ اُن

کی بھی ہم یتھا یوگیہ پالنا پوشنا کریں - ورنہ
اُن سے خدمات لینے کا ہمیں کوئی حق نہیں
مگر افسوس کہ انسان اُن سے غلاموں سا سلوک روا
رکھتا ہے - کوئی زمانہ تھا - کہ انسان بھی غلام
بن کر بکتے تھے - مگر آخر پرماتما کی کرپا سے
اُن کے کشٹ دُور ہوئے - انسان کی غیرت
اس کو برداشت نہ کر سکی اور غلامی کا دھبّہ
صفحہ دُنیا سے تقریباً مٹ گیا - مگر جانوروں کی
غلامی ابھی قائم ہے - اُن سے سارا دن محنت
لینا - ذرا بھر بھی آرام نہ دینا - پھر کھانے کو
اُن کی ضرورت سے کم اور ادنےٰ خوراک پیش
کرنا - اور اس پر مار پھٹکار - گالی - گلوچ -
بیماری میں اُن کی پرواہ نہ کرنا - وقت پر
کھانا پینا نہ دینا - یہ سراسر ظلم و انیاچار نہیں
تو کیا ہے - اور ضعیفی میں اُن کو گھر سے نکال
کر قصابوں کے سپرد کر دینا - اور پچھلی تمام
خدمات پر پانی پھیر دینا - انسانیت کو ہرگز زیب
نہیں دیتا - کیا اُن کا پرماتما نہیں ہے ؟ اور
وہ انصاف نہیں کرے گا - وہ ضرور ایک دن
آپ سے اس کی باز پُرس کرے گا - ایسے
پشو - جن کی سیوا ہم روز مرہ لیتے ہیں - وہ ہمارے
پریوار کے ممبر ہیں - اُن کے دُکھ میں دُکھ اور
سکھ میں سُکھ محسوس کرتے ہیں - اور پھر یہ اور

قابل رحم بات ہے کہ بیچارے بے زبان ہیں۔ اپنا دُکھ سُکھ بتا بھی نہیں سکتے۔ یاد رکھو پشوؤں جانوروں کے گوشت سے بھی اپنے جسم کی پرورش کرنا حد درجہ کا پاپ ہے۔ دھرم میں یہ ہرگز جائز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اُن کے مُقابلہ میں اُتّم اُتّم انیک پدارتھ پرماتما نے ہمارے لئے موجود کر رکھے ہیں۔ یہی پاپ ہماری انسانیت و تہذیب کا بیڑا غرق کر کے تمام دنیا میں بدامنی کی آگ بھڑکا رہے ہیں۔ یاد رکھو۔ تمام جانور ہماری خدمت کو ہیں۔ نہ کہ خوراک کو۔ کیڑے۔ پتنگ۔ پرند خوراک کے وقت ہمارا فرض ہے ان کے لئے برابر حصّہ نکالیں۔ تب ہی ہمارا بھوجن امرت بنے گا۔ ورنہ زہر۔ وہ گھر مبارک ہے۔ جہاں اِن بے زبان جانوروں کو یاد رکھا جاتا ہے۔ پرماتما کی کرپا سے اُس گھر میں سدا ہی دھن دھان کے ڈھیر رہتے ہیں۔ اور ہمیشہ خوشی اور سُکھ کے شادیانے بجتے رہتے ہیں۔ ایسا گھر بیماریوں سے کوسوں دُور رہتا ہے ٭

---

# ۱۳ - ضابطۂ اخلاق

٥ کام کرودھ مد لوبھ موہ کو جو جن دور بھگائیے
نشچے کر لو من میں تم وہ موکش کی پدوی پائے

انسان کا انسانی جامہ کے بعد مکتی یعنی نجات کو حاصل کرنا ہی پرم دھرم ہے۔ تاکہ وہ بار بار جنم مرن کی تکلیف سے چھوٹ جاوے۔ اس کے حصول کے لئے کوی نے نہایت ہی آسان راستہ بتا دیا ہے۔ مگر جتنا یہ آسان نظر آتا ہے حقیقت میں یہ اُتنا ہی مشکل ہے۔ مگر اس میں بھی شک نہیں کہ جب بھی آدمی نے ان پر قابو پا لیا وہ یقیناً مکت ہو گیا۔ یہ صرف کہنے کی باتیں نہیں۔ ہم نے آنکھوں دیکھ لیا کہ اُنیسویں صدی کے رشی دیانند جی نے اِن کو کس طرح جیتا۔ اور بیسویں صدی کے مہاتما گاندھی جی اس پر کیسے عمل پیرا ہو کر دکھا رہے ہیں۔ رشی دیانند ہمارے لئے ایک مثال پیش کر گئے ہیں۔ اُنہوں نے کس طرح اِن دشمنوں کو جیت کر اپنے آپ کو امر بنا دیا ہے۔ ذرا وضاحت سے بتا دینے کی ضرورت ہے۔ تاکہ ایک معمولی انسان بھی یہ سمجھ لینگے کہ یہ کوئی جادو منتر کی بات نہیں تھی۔ بلکہ اگر انسان مستقل مزاج ہو تو اُس کے لئے ٥

مشکلے نیست آسان نشود مرد باید ہراساں نشود

# ا۔ کام

ایک بار کئی ایک سجن پرشوں نے جو رشی دیانند کے برخلاف تھے۔ سازش کر کے علی الصباح ہی جب کہ وہ دریاے گنگا کے کنارے ایکانت میں سمادھی لگائے بیٹھے تھے۔ ایک خوبصورت ویشیا کو اس خیال سے بھیجا کہ رشی جی اس کی خوبصورتی وغمزوں کے جادو میں پھنس کر پتت ہو جائینگے۔ اور ان کو تماشے کا موقعہ مل جاویگا۔ مگر پرماتما کو اپنے سچے بھگت کی رکھشا کرنی منظور تھی۔ رشی کو سمادھی کی اوستھا میں دیکھ کر اُس ویشیا کا دل پاپ سے گھبرا گیا۔ بڑی شردھا بھگتی سے رشی کے چرنوں پر گرنے لگی۔ ٹھنڈے ہاتھوں کے لگنے سے سمادھی کھل گئی۔ رشی جی اس وقت دیوی سے آنے کا کارن پوچھتے ہیں۔ ویشیا زار زار رونے لگتی ہے۔ گہنے اوتار کر رشی کے قدموں میں ڈال کر ساری کہانی سُناتی ہے۔ رشی اشیرواد دیتے ہیں۔ جس کا اثر یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ پاپ مئے جیون کو چھوڑ کر پرماتما کی چیلی بن جاتی ہے۔ پھر بھی رشی نے اِن وچاروں کو من سے اوجھل کرنے کے لئے برہمچریہ کی رکھشا کے لئے تپ ضروری سمجھا۔ کیونکہ سندر استری کا ایکانت میں درشیہ اور

کتھا من کے وچاروں میں آ آکر اُن کو تکلیف
دے سکتی تھی ۔ کئی رشی اس عورت کی خوبصورتی
کے آگے گر گئے ۔ ایسی کئی کتھائیں مشہور ہیں ۔
مگر رشی نے اپنے آپ کو کیسے بچا لیا ۔ تین دن
رات اُنھوں نے برت رکھا ۔ پورنی نیند نہیں سوئے
تاکہ خواب میں بھی کہیں یہ درشیہ نہ آجائے ۔
اور آخر اس تپ سے کام پر فتح پالی ۔ گویا
نفس امارہ کو اُنھوں نے جیت لیا ۔ گرہستیوں کے لئے
تو کام سے بچنا اور بھی مشکل بات ہے ۔ کیوں کہ
اُن کے سامنے ایسے کئی درشیہ ہر گھڑی آ کھڑے
ہوتے ہیں ۔ اس لئے ہمارے دھرم میں مریادا
باندھی گئی کہ ہم اپنے سے چھوٹی کنیا یا لڑکے کو اپنا
ہی لڑکا یا لڑکی جان لیں ۔ برابر والے کو اپنا بھائی
یا بہن اور بڑی استری یا مرد کو ماتا پتا سمان ہی من
میں بچار کر لیویں ۔ جب جب بھی پاپ کسی کے بارہ
میں من میں پیدا ہو یہ گورو منتر سامنے لے آویں
بُرے خیال فوراً بند ہو جاوینگے ۔ گرہست دھرم میں
بھی استری کو محض سنتان اُتپتی کے لئے ہی بھوگیں ۔
اور پھر سنتان کی بھی دس تک حد مقرر ہے ۔ سنتان
کے گربھ میں آجانے سے دو سال تک دُود چھڑانے
اور پھر ماتا کے ایک سال آرام کو دینے کے لئے پتا
کو تین سال اوشیہ ہی برہمچریہ رکھ کر شدھ اچار وچار
رکھنا چاہئے ۔ تب ہی تندرست اور دھارمک سنتان

لے گی - اور اس طرح دس سے زیادہ بڑھ ہی
نہیں سکتیں - اس لئے یہ قدرتی برتھ کنٹرول ہے
اگر اس پروگرام پر عمل نہ کیا گیا تو عیش پرستی کی
زندگی اور مصنوعی برتھ کنٹرول سے نہ صرف اپنا ہی
ستیاناس ہوگا - بلکہ سنتان کے گھات کرنے کا ان
کی صحت برباد کر کے دائم المریض بنانے اور پیش
از وقت مرگ لانے کا پاپ ماتا پتا کے کندھے پر
رہیگا - اس لئے اپنی دھرم پتنی کو وشیہ بھوگ یا مصنوعی
برتھ کنٹرول کا تختۂ مشق بنا کر گرہست کو نرگ بنانے
کی کوشش نہ کریں - اور اپنی ہنستی کھیلتی معصوم سنتان
پر رحم کریں - ورنہ ان معصوم بچوں کی سرد آہیں
آپ کو کھا جائینگی - کوئی بچہ جب تک کہ ماں کا دودھ
اُسے چاہئے - کبھی خوشی سے گوارا نہیں کر سکتا کہ
ماں کا دودھ اُس سے چھین لیا جاوے - مگر ہم
اپنی عیش عشرت کی خاطر کسی نہ کسی طرح اس کی
یہ قدرتی خوراک پیش از وقت بند کر دینے پر مجبور
ہو جاتے ہیں اور ذرا بھی افسوس نہیں کرتے - ان
معصوم بچوں کی موت دنیا میں جس تیز رفتاری سے
ترقی کر رہی ہے اور پھر برتھ کنٹرول سے ان کی
پیدائش جس طرح کم ہوتی چلی جاتی ہے اس کے
لئے موزوں مثال اس سے زیادہ اور کیا ملے گی - کہ
انسان جس شاخ پر آرام سے بیٹھا ہو اُس شاخ
ہی کو اپنی نادانی سے نہایت تیزی سے کاٹ رہا ہو

ہو - اور نتیجہ سے غافل ہو نہ صرف یہاں تک بلکہ
اس کا نتیجہ حیوانوں پر بھی ظلم ہے - اس عیش
عشرت کے لیئے جس قدر بے گناہ جانور قربان ہو
ہو رہے ہیں - اُن کو جانے دو بلکہ صرف دودھ
کی روز افزوں ضرورت کو پورا کرنے کے لیئے
حیوانوں کی تعداد کم ہو جانے سے - اُن کے بچے
بھی پوری خوراک حاصل نہیں کر رہے - کیونکہ ہم
اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ گوجر و گوال لوگ کس طرح
معصوم بچھڑوں کا گلہ گھونٹ کر ہمیں دودھ مہیا
کر رہے ہیں - اور پھر کیا وجہ ہے - کہ خالص دودھ
گھی - مکھن پھر بھی ڈھونڈھنے سے نہیں ملتا - اور
آئے دن مٹی آمیزشوں کا بھانڈا پھوٹتا رہتا ہے
آخر نباتاتی گھی پر گذارہ کرنے بنتی ہے - ایسے
قابل افسوس نتائج آنکھوں کے سامنے ہیں - مگر
انجام سے پھر بھی ہم ویسے ہی غافل ہیں - اس لیئے
تو کام کا نمبر سب سے پہلے رکھا گیا کہ یہ بڑا بلوان
ہے - اس کا جیتنا کارے وارد کا معاملہ ہے - کہتے
ہیں - کہ ایک دفعہ دیاس جی نے اپنے لڑکے سکھدیو
جی کو اُپدیش دیا کہ کام سے بچنے کا یہ بھی ایک
طریقہ ہے - کہ مرد - استری - بالک کنیا کبھی ایکانت
میں مل کر نہ بیٹھیں - اس عجیب بات کے بھید
کو اُس کا لڑکا نہ سمجھ کا - ایک دن کا ذکر ہے
کہ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی - بادل گرج رہے

تھے ۔ بجلی چمک رہی تھی ۔ بیاس جی کُٹیا سے باہر
کسی کام کو چلے گئے ۔ اور کہہ گئے کہ کام ایک
ضروری درپیش ہے ۔ میں نہ لَوٹ سکوں تو تم
سو جانا ۔ لڑکا اکیلا بیٹھا تھا ۔ تھوڑی ہی دیر
کے بعد اُس نے کسی عورت کے چلانے کی آواز
سُنی ۔ باہر نکلا کیا دیکھتا ہے ۔ کہ ایک سُندری درخت
کے سہارے کھڑی سردی سے کانپ رہی ہے ۔ لڑکا
ترس کھا کر اُسے اپنی کٹیا میں لاتا ہے ۔ اُسے الگ
کمرہ دیتا ہے ۔ اور کام سے ڈر کر اُسے سخت
ہدایت بھی کرتا ہے ۔ کہ اندر سے کُنڈا لگا کر آرام
کرو ۔ اور اِسے کسی کے کہنے پر بھی مت کھولنا ۔
سویرے تم کو تمہارے استھان پر بھیجدیا جاوے گا ۔
سکھ دیو جی اکیلے تھے ۔ دل میں اب طرح طرح
کے خیالات اُٹھنے لگے ۔ من میں دیو اُسر سنگرام
شروع ہو گیا ۔ نیک و بد خیالات کی لڑائی چھڑی تھی
آخر خیالاتِ فاسد کا غلبہ ہو گیا ۔ دروازہ کھٹکھٹایا ۔
بہت بہانے بنائے ۔ جتنا زور لگایا ۔ عورت نے دروازہ
نہ ہی کھولا ۔ جب کام کا بھُوت دماغ پر پوری طرح
سوار ہو گیا تو کٹیا کی چھت پر آ کر اِسے پھاڑ ڈالا
لٹک کر نیچے پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں ۔ کہ وُہ سُندر
استری تو ساکشات بیاس جی مہاراج ہیں ۔ اور
اُنہوں نے لڑکے کی سکشا کے لئے یہ رُوپ
دھارن کر رکھا تھا ۔ لڑکا شرم سے پانی پانی ہو

ہو گیا - یہ تو کام کا ایک ادنے کرشمہ تھا - مگر اخباروں کا مطالعہ کرو - تو آپ حیران ہونگے - کہ اس کام دیوتا کی مہربانی سے ہر سال کتنے قتل و خون ہوتے ہیں - کتنے خاندان تباہ ہو جاتے ہیں - کتنے یتیم ہو جاتے ہیں - کتنی مال و دولت قربان ہو جاتی ہے - ان بھیانک نتائج کی روز افزوں صورت عورتوں کے مقدمات و اخباروں میں دیکھ کر کلیجہ کانپ اُٹھتا ہے - مگر مہذب دنیا نے اس کا حل ابھی تک کچھ نہیں سوچا ؎

تا تریاق از عراق آوردہ شود - مریض مردہ شود

مگر پرماتما نے کوئی چیز بے فائدہ نہیں بنائی - یہی کام مناسب موقعہ پر ایک نہایت ہی مفید بھی ہے - اگر نہ ہوتا تو دنیا کی انسانی و حیوانی نسلوں کا خاتمہ ہو جاتا - ماتا پتا کا پریم مفقود ہو جاتا دنیا ویران ہو جاتی - ماتا پتا کے ملاپ میں صرف نیک سنتان کی خواہش کے لئے پُورے ارادہ کے بعد یہ کام دیو مبارک ہیں - اس سے خاندانوں کے نام قائم رہتے ہیں - ماتا پتا کا نام روشن ہوتا ہے اُجڑے گھر بسنے لگتے ہیں - ویرانے آباد ہو جاتے ہیں - دنیا کو پیغمبر - رشی - مہاتما - ریفامر - لیڈر - دستیاب ہوتے ہیں - بھلا پھر یہ کوئی بُری چیز ہے ؟ ساتوک بھوجن کھاؤ - سادہ زندگی بناؤ - شدھ خیالات رکھو - کسی دھارمک سوسائٹی

سے تعلق رکھو۔ خوب ورزش و کثرت کرو۔ پھر
دیکھیں کام دیو آپ کے نوکر بن کر رہتے ہیں کہ آقا؟
آزمائش شرط ہے کام کی بھیانک تصویر دیکھنی ہو
تو کسی اخبار میں پڑھ لو۔ کہ فلاں آدمی نے کسی
دوسری عورت کی محبت میں پھنس کر اپنے بچوں و
استری کو بھی قتل کر ڈالا۔ اس سے بڑھکر زندگی
اور کیا ہو سکتی ہے +

## ۲۔ کرودھ (غُصّہ)

کرودھ ایک چنڈال ہے۔ غُصّے میں انسان
اندھا ہو جاتا ہے۔ ایسا سُننے چلے آتے ہیں رشی کو
لوگ اینٹیں پتھر مارتے ہیں۔ ہنستے ہنستے اُن کی
نادانی پر افسوس کرتے ہیں۔ نادان بچوّں کو ورغلا
کر رشی پر پتھر ڈلواتے ہیں۔ وہ اُن کو لڈّو دیتے
ہیں۔ اور گود میں بٹھا کر کھلاتے ہیں۔ حتیٰ کہ
زہر دینے والے کو پیسے دیکر نکل جانے کی
ہدایت کرتے ہیں۔ جب وہ پکڑا جاتا ہے۔ اس
کی رہائی کی سفارش کرتے ہیں۔ گویا غصہ تھا ہی نہیں
مگر یہ بھی اپنے موقعہ پر ایک مفید چیز ہے۔
وقت آیا جب کوئی راجا اپنی مہارانیوں کو چھوڑ
کر کسی ویشیا سے گمن کرنے لگا تو رشی نے اُسے
غصّے سے گرج کر کہا کہ شیر اگر کُتیا کا سنگ کرنے

لگ جائیں تو پھر شیر کہاں باقی رہ جائینگے ؟
راجہ تو سمجھ گیا باز آگیا ۔ مگر وشیانے بے شک
بدلہ لے لیا ۔ مگر رشی کے نام کو تو امر کر
دیا ۔ ناتجربہ کار نوجوان غصے میں اپنے جوش
کو قابو نہ کر کے کچھ کا کچھ کر بیٹھتے ہیں ۔ مگر
جب ری ایکشن ہوتا ہے ۔ تو ٹھنڈے ہونے پر
اپنے کئے پر پچھتاتے ہیں ۔ مگر ع

اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

بڑے بڑے قومی لیڈر و مدبران ملک اس کرودھ کی
اگنی میں تپ کر بعض اوقات دنیا کے خرمن امن
کو آگ لگا دیتے ہیں ۔ مگر بعد میں افسوس کرتے
ہیں ۔ مگر ع

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

ایک دانا نے خوب کہا ہے ۔ کہ جب تمہیں غصہ
آوے تو سو تک گنو اس سے پہلے کوئی بات
یا کام نہ کرو ۔ غصہ ایک آگ ہے ۔ جو چند منٹ
میں ہی کئی خوبصورت چیزوں کو جلا کر راکھ بنا
ڈالتی ہے ۔ جو گرجتے ہیں ۔ وہ برستے نہیں ع

سبز ہوتے کھیت دیکھا ہے کبھی شمشیر کا؟

بات بات میں جوش میں آنا ہلکا پن کا ثبوت ہے ۔ مبارک
ہیں وہ لوگ جو اتنے پُر جوش دریاؤں کے گرنے
پر بھی سمندر کی مثال سدا شانت رہتے ہیں ۔ یعنی
دنیاوی نشیب و فراز ۔ جھگڑوں رگڑوں میں پڑ کر

بھی شانتی و حوصلہ کو ہاتھ سے نہیں دیتے - یہ ایک ایسا جادُو ہے - جو دوسرے کو بے دام غلام کر دیتا ہے +

## ۳ - مد (نشہ)

نشہ کوئی بھی ہو اس کا انجام اچھا نہیں سُنا - حکومت کا نشہ - دولت کا نشہ - جاہ و حشمت کا نشہ سینکڑوں نشے انسان کے پیچھے لگے ہوتے ہیں - ایک تمباکو کو دیکھو کئی طرح استعمال ہوتا ہے - حُقّہ پان سیگرٹ - نسوار - علاوہ ازیں شراب - گانجہ - افیم - پوست - چرس - کوکین - بھنگ کس کس کا نام لیں - ایک ایک پر دنیا کے کروڑوں روپے قربان ہو رہے ہیں اور محض بے فائدہ ہزارہا نیک انسان بطور مثال پیش کئے جا سکتے ہیں جن کو کوئی ایک بھی نشہ نہیں مگر پھر بھی ان کی صحت خاطر خواہ - چہرہ سُرخ - بدن مضبوط ہاضمہ طاقتور ہے - اور عمر میں بھی اِن نشہ والوں سے زیادہ لمبی پاتے ہیں - مردم شُماری بھی یہی بتاتی ہے کہ نشہ استعمال کرنے والے کم عمر پاتے ہیں - اور کسی نہ کسی بیماری میں مبتلا ہی رہتے ہیں - اور لُطف یہ کہ خود نشہ کے استعمال کرنے والے بھی یہی کہتے سُنے جاتے ہیں

کہ بابا کیا کریں پھنس چکے ہیں۔ اب چھٹکارا مشکل ہے۔ جیب خالی۔ محتاجی۔ بیماری۔ بیہودہ بکواس۔ و بھچار اور پاگل پن سب اسکی برکتیں ہیں۔ ہر ملک میں ٹیمپرنس سوسائیٹیوں کا جال سا بچھا ہے۔ مگر پھر بھی مسکرات کی بیماروں کی تعداد ترقی ہی کرتی جاتی ہے ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ نسل انسان کو یہ نشے گھن کی طرح ناکارہ کر رہے ہیں۔ مگر اس کے انسداد کی فکر ابھی کسی کو نہیں۔ سیگرٹ ایک فیشن ہو گیا ہے۔ شراب تو دعوتوں کا سنگار ہے۔ حقہ ہر کا لاڈلا ہے۔ عیش پرستی ون بدن رُوبہ ترقی ہے۔ مذہب کریں تو کیا کریں۔ قدرت کی خلاف ورزی کا علاج سوائے سزا بھگتنے کے کچھ نہیں دفع مرض علاج مرض سے بہتر ہے۔ ان بلاؤں سے جس قدر دُور رہو فائدہ ہی فائدہ ہے۔ تبھی تو تمام مذاہب نے بیک آواز ان کا استعمال ممنوع قرار دے دیا۔ کیا یہ کم سودا ہے کہ ایک طرف پیسے بھی بچیں۔ دوسری طرف صحت بھی حاصل ہو اور عمر بھی دراز ہو +

## ۴۔ لوبھ (حرص یا طمع)

ع طمع را سہ حرف است و ہرسہ تہی

لوبھ کو سوجھ نہیں - مگر یہ دولت بڑی
زبردست ہے - انسان پر اپنا جادو کر ہی
دیتی ہے - یہانتک کہ اس پر دھرم - ایمان
مذہب روا داری - رشتہ - محبت - دوستی سب
کچھ وقت آنے پر انسان قربان کرنے کو تیار
ہو جاتا ہے - مگر اس حقیقت سے غافل نہ ہونا
چاہئے - کہ دولت ایسی چیز ہے - جسے ہم یہاں
ہی چھوڑ جاوینگے - قارون کا خزانہ مشہور تھا - مگر
وہ ایک پیسہ بھی ساتھ نہ لے گیا - سکندر نے
تمام دنیا فتح کر لی مگر ع
ہاتھ دونو کفن سے خالی تھے
محمود غزنوی اتنی دولت و قیمتی سامان لوٹ لوٹ
کر لے گیا - مگر موت کے وقت ہر ایک چیز
کو دیکھ دیکھ کر زار زار روتا تھا - کہ کوئی بھی
ساتھ نہ دے سکی - اس کے برعکس ایسے بھی مردانِ
خدا کی مثالیں ہیں جنہوں نے دولت وثروت کو
لات ماری اور عاقبت کا سرمایہ ہی اکٹھا کرنے
میں دانشمندی سمجھے - کہتے ہیں - جب سکندر اعظم
ہندوستان میں آیا - تو بڑے مشہور پارسا سادھو
مہاتما کی زیارت کو گیا - اشرفیوں کی تھیلیاں
ساتھ لے گیا اور پوچھا کہ مانگ لو جو جی چاہے
مگر مہاتما نے بڑی بے پرواہی سے کہا - کہ تبھی
اتنا چاہئے کہ ذرا آگے سے ہٹ جائیں تاکہ

دھوپ مجھ تک پہنچ سکے سکندر اعظم ششدر
رہ گیا - اور لوٹ گیا - اس طرح ایک اور
بادشاہ نے کسی خدا رسیدہ فقیر سے سوال کیا
کہ بابا کبھی ہمیں بھی یاد کیا کرتے ہو - جواب
ملا - کہ ہاں - جب خدا کو بھول جاتا ہوں -
سچ ہے - سہ

توانگری بدل است نہ بمال

شیخ سعدی صاحب نے سچ ہی تو کہا ہے سہ
اے قناعت توانگرم گردان کہ ورائے تو ہیچ نعمت نیست
آج کل ہم کیا دیکھتے ہیں - ہر ایک سلطنت یہی
چاہتی ہے - کسی طرح دوسری طاقتوں کو ہڑپ
کر جائے - چین - جاپان - روس - جرمن - فرانس
امریکہ سب تجارت حکومت ملک گیری کے پیچھے
ہر توڑ دوڑ لگا رہے ہیں - ہر ایک یہی چاہتا
ہے کہ میں سب سے آگے بڑھ جاؤں اسی لئے
باہمی انس یا ہمدردی نہیں - لیگ آف نیشنز
کانفرنسیں کر کر کے تھک بیٹھی - مگر دنیا کے
امن و صلح پسندی کا کوئی راستہ ہی نظر نہیں
آتا - کسی بات پر بھی سب متفق نہیں ہو سکتے
پچھلے زمانہ کو دیکھیں تو ایسے بھی لوگ تھے -
جو بادشاہوں کے گھر پیدا ہوئے دنیا و جاہ و
حشمت کو لات مار کر خلق خدا کی بہتری کے لئے
راج پاٹ کو چھوڑ کر غریبی اختیار کر - فقیر بن

مارے مارے پھرے اور دنیا کو سیدھے راستہ کی ہدایت کر گئے گوتم بدھ - مہابیر - رامچندر جی آخر کون تھے - ان کا نام آج تک کیوں عزت سے لیا جاتا ہے - محض اس لئے کہ لوبھ کو جیت لیا - رشی دیانند کو لاکھوں روپیہ سالانہ کی گدی پیش کی گئی بُت پرستی کے برخلاف مت بولو - انکار کر دیا - مگر آج اس ادنےٰ و بے وفا دولت کے لئے نہیں نہیں صرف چند ٹکڑوں کے لئے باپ بیٹے - بھائی بھائی دوست دوست - رشتہ دار - برادری میں جنگ - مقدمہ بازی - قتل دنگے - فساد - لوٹ - کھسوٹ ختم ہونے میں نہیں آتی = خدا جانے اگر اس قانون کا بھی ذرا سا خوف لوگوں کے دلوں میں نہ ہوتا تو ایک دوسرے کو کچا ہی چبا جاتے - دنیا میں عزت و مرتبے سے جینا بے شک ضروری ہے - مگر دولت کی کمائی کی بنیاد دھرم - ایمان و سچائی پر ہو نہ کہ مکرو فریب - دغہ بازی و ظلم پر ع -

میازار مورے کہ دانہ کش است

## ۵- موہ (محبت)

اس سنسار کے سب رشتے ناطے عارضی ہیں صرف اتنی محبت ہونی چاہئے - جس سے گذارہ چل سکے

نہ کہ اس عارضی محبت پر انسان دیوانہ بنا
پھرے ۔ تبھی تو سچا و دائمی رشتہ وار (پرماتما)
تو اکثر بھول جایا کرتا ہے ۔ اور یہ باپ ۔ بیٹے
دوست رشتے وال ہی جائداد بن جاتے ہیں ۔ یہی
وجہ ہے ۔ کہ اِن کی موت پر ہم بعض اوقات
پرماتما کو بھی تبرّے سنانے سے نہیں چوکتے ۔
اور بعض اس عارضی محبّت میں ایسے اندھے ہو
جاتے ہیں ۔ گویا اپنے بیٹے یا پیارے دوست
کی وفات پر دیوانے ہی ہوئے پھرتے ہیں ۔
مچھلی کو دیکھو ایک ذائقہ کی خاطر جال یا کنڈی میں
پھنس جاتی ہے ۔ بھونرے کو پھول کی خوشبو
میں موہ ہے ۔ شام کو اس میں بند ہو جاتا
ہے ۔ ہرن راگ پر مست ہے ۔ اس سے آخر
پکڑا جاتا ہے ۔ ہاتھی کام کے موہ میں کاغذ
کی ہتھنی کو دیکھ کر گڑھے میں گر جاتا ہے ۔
پتنگ رُوپ میں مست ہے ۔ شمع پر قربان ہو
جاتا ہے ۔ یہ سب ایک ایک چیز کا موہ رکھتے ہوئے
بھی بچ نہ سکے ۔ تو انسان کیسے خیر منا سکتا ہے
جب حواس خمسہ کے پانچ موہ اسے چمٹ جاویں ۔
خوبصورتی پر یہ لٹّو ہے ۔ راگ پر دیوانہ ۔ خوشبو
پر قربان ۔ عیش پرستی اس کا شغل ٹھیرا ۔ گوشت
شراب لذیذ کھانے اور ادویات لازمی چیزیں ہیں ۔
بھوگی جاہ و حشمت کی آرزو کبھی ختم ہونے میں

نہیں آتے - بہادر اور مردِ میدان ہے وہ انسان جو ان پانچوں حواس کو قابو کر لیتا ہے - کیونکہ صرف وہی نجات یا پرماتما کے درشن کا مستحق ہو سکتا ہے - وقت آنے پر راجہ ہریش چندر نے موہ کو تیاگ کر دھرم کی خاطر پیاری بیوی و بیٹے کو بیچ ڈالا مریادا پرشوتم رام نے تاج شاہی چھوڑ کر بن کا راستہ لیا - مگر راون اس جھوٹے موہ میں ایسا اندھا ہوا کہ چار وید چھ شاستر پڑھکر برہمن ہوتا ہوا بھی بیوقوف و راکھشس بن گیا - آج تک اس کے دس سروں پر گدھے کا سر لگا کر دنیا کو ایک سالانہ عبرت انگیز سبق ملتا ہے - کہ وید شاستر پڑھکر بھی یہ گدھا ہی رہا - گویا علم کے ساتھ عمل ضروری ہے - میری جائداد - میرا بیٹا - میرا تخت - میرا گھر یہ 'میرا' کا شبد ہی اس دنیا میں تکلیف کا باعث ہے - اس لئے روزانہ فرائض میں ہم کو اِدن مم کہنا سکھایا گیا - کہ یاد رکھو "میرا کچھ بھی نہیں" سب اُسی کا ہے - اُس کے ارپن کر دو اور پھر آنند مناؤ - اور سکھ پاؤ - سمندر اگر پانی سورج کو نہ دے اور وہ پھر ہوا کو نہ دے اور ہوا بادلوں کو نہ دے اور بادل زمین کو نہ دیں اور زمین بھی پھر گذارہ ہی لے کر فالتو پھر سمندر کو نہ لوٹائے تو دُنیا کا ایک دن بھی گذارہ مشکل ہے - کیسا صاف قانون قدرت ہے - کہ تمہاری بھلائی ایک دوسرے

کی باتیں ہمدردی و قربانی ہیں ہی پنہاں ہے - مگر
یہاں تو ہر ایک اپنی دولت زمین میں دفن کرنا چاہتا
ہے - دنیا کے لوگ چاہیے لاکھوں کروڑوں کی تعداد
میں بھوک سے مر جاویں - ان کی بلا سے - بھلا پھر
شانتی و امن دنیا میں کہاں سے آوے - دولت مند
اپنی دولت کا موہ چھوڑ کر اسے دنیاوی کاموں میں
لگا دیں - مزدور غریب لوگ روٹی کما دیں - اور
فالتو دولت سب کی مشترکہ بھلائی پر خرچ ہو - تو
نہ فکر نہ ڈر تم بھی آرام میں ہم بھی چین سے سوئینگے
ورنہ تم دولت کی چوکیداری کرتے کرتے مر جاؤگے
اور لوگ بھوک و بیماری میں گھل گھل کر - انجام
سب کا ایک ہی ہے - ۵

اے شمع تیری عمر طبعی ہے ایک رات
ہنس کر اسے گذار یا روکر گذار دے

موہ کو چھوڑنا بھی کوئی خالہ جی کا گھر نہیں بڑی
بھاری ریاضت وتپ کی ضرورت ہے - کہتے ہیں
بیاس جی نے اپنے بیٹے سکھدیو جی کو راج رشی
راجہ جنک کے پاس بھیجا - کیونکہ وہ کہتا تھا - کہ
میں سنیاسی بنتا ہوں - مگر بیاس جی اسے ابھی
اس یوگیہ نہیں سمجھتے تھے - آخر فیصلہ راجہ جنک
پہ ہی چھوڑا گیا - جو اس لئے راج رشی کی پدوی
رکھتا تھا - کہ سنسار میں رہ کر بھی وہ سنسار کے
موہ سے الگ رہ کر رشی جیون گذار رہا تھا - جب

سکھدیو جی پہنچے۔ جنک کو پتہ لگ گیا۔ مہمان خانے میں
ٹھیرانے کو کہدیا۔ تھوڑی دیر بعد راجہ جنک نے
آنے کا مطلب پوچھا سکھدیو جی بولے کہ میں ایشور
درشن کے بارے میں آپ سے اُپدیش سُننے آیا
ہوں ۔جب راجہ نے اُپدیش شروع کیا۔ کچھ پہلے
ہی انتظام کر ڈالا تھا۔ ایک نوکر آیا کہ مہاراج
راج بھون میں آگ لگ گئی ہے۔ راجہ جنک نے
اُسے ہدایت دے کر رُخصت کیا۔ پھر اُپدیش شروع
کر دیا نوکر پھر آیا کہ اب تو آگ آپ کے محل تک
پہنچ گئی۔ نوکر پھر ہدایت لے کر چلتا بنا۔ مگر تیسری
بار پھر آیا کہ آگ اب مہمان خانہ تک آ پہنچی ہے۔
اس بار سکھدیو جی فوراً اُٹھ کر دوڑنے لگے۔ کہ
میری تو لنگوٹی و کمنڈل آدی وہیں ہیں! جنک جی
نے اُنکو پکڑ لیا کہ اب بتاؤ کہ آپ ایشور درشن
دسنا اس کے یوگیہ ہیں؟ جب کہ ابھی آپ کا
موہ لنگوٹی و کمنڈل ہی میں بند ہے (پانچ اندریوں)
حواس خمسہ کو قابو کرنا واقعی ایک مشکل کام
ہے

ایک دفعہ کسی راجہ نے اعلان کیا کہ میرے
پاس پانچ بکریاں ہیں۔ اُس آدمی کو آدھا
راج دے دونگا۔ جو اِن کو کسی طرح تریپت
(سیر) کیا لائے کہ پھر خوراک کا اُس وقت رُخ

ہی نہ کریں ۔ بہتیرے آئے مگر جب بکریوں کا امتحان ہوتا ۔ وہ گھاس میں منہہ مارنے کو دوڑتیں ۔ آخر ایک سادھو آئے ۔ پہلے تو بکریوں کو تھوڑا گھاس کھلایا پھر گھاس اُن کے سامنے رکھ رکھ کر مشق کرائی کہ جب ذرا بھی گھاس کی طرف دیکھیں ڈنڈا مارتا ۔ حتےٰ کہ اُسے یقین ہو گیا ۔ جب راجہ نے گھاس ڈالا ۔ بکریوں نے اُدھر نگاہ کی ۔ کیونکہ سادھو کا ڈنڈا سامنے تھا ۔ یہی حال حواس خمسہ کا ہے یہ تو کبھی سیر ہو نہیں سکتے ۔ کیونکہ آگ میں جس قدر تیل یا گھی ڈالو وہ تو اور روشن ہو گی ۔ انہیں تو ایشور کا بھئے ہی راہِ راست پر لا سکتا ہے ۔ دیکھو سرکس کے حیوان شیر ہاتھی گھوڑے تک اِس طرح ٹرینڈ ہوتے ہیں ۔ اُستاد کے چابک کا خوف شیر ببر و بکری کو ایک گھاٹ پانی پلاتا ہے ۔ گھوڑوں ہاتھیوں کو اِشاروں پر نچاتا ہے ۔ تو بھلا ذی عقل اِنسان ایشور کے خوف کو اگر دِل میں جگہ دیوے تو دُنیا کا موہ کبھی اُسے گمراہ کر سکتا ہے ؟ کہتے ہیں ایک راجہ سنسارک موہ میں اِس قدر پھنس گیا ۔ کہ بچارہ عیش پرستی ۔ گانا بجانا کھان پکوان کھیل تماشے ہی کے چکّر میں پڑا رہنا اُس کی خوش قِسمتی سے کہیں سے کوئی سادھو آ گیا ۔ اُس کے اُپدیش نے جادو کا کام کِیا ۔

راجہ نے کہا میں اپنے پاپ یک لخت کیسے چھوڑ
سکتا ہوں اُس نے کہا تم راج مجھے دان کر دو۔
راجہ نے ایسا ہی کیا مگر سادھو نے پھر اُسے
ہی اپنا مختار بنا دیا۔ اور ایک پروگرام بنا کر
دے دیا۔ کہ سال میں آکر تم سے
حساب کتاب سمجھ لُونگا۔ اگر آپ نے خزانہ
میں ترقی کی۔ لوگ دھرم و چین سے رہے۔ تو
خیر ورنہ آپ کو اس پدوی سے ہٹا دونگا۔ اور
پھر کنگال بن جاؤ گے۔ راجہ عادت سے مجبور
تھا۔ دوسرے ہی دن بڑی کشمکش کے بعد مقرر
پروگرام پر ڈٹ تو گیا۔ مگر دو ایک ماہ تو سخت
مصیبت کا سامنا رہا۔ دل کہتا ذرا اور سو لو۔
کون دیکھتا ہے۔ مگر اُدھر حساب کتاب کا خوف۔ موقوف
ہو جانے کا ڈر۔ آخر سدھرتا سدھرتا سدھر ہی گیا۔
سال کے بعد جب سوامی جی آئے۔ راجہ بھگت
و شردھالو بنا ہوا تھا۔ کہنے لگا مہاراج آپ
نے تو کوئی جادو کر دیا۔ کہ میری زندگی ہی سدھر
گئی۔ سادھو کہنے لگا۔ جادو کوئی نہ تھا۔ صرف
تمہارے دل میں بھے تھا۔ جس نے ہمارا کام
کروایا۔ اب بھی میری بجائے پرماتما کا راج جان
کر اُس کے حساب کتاب کا ہی بھے من میں
رکھو تو پاپ کے نزدیک نہ جاؤ۔ مگر آج ہم اکثر
دیا سنتوں میں چیخ پکار کیوں سنتے ہیں۔ صرف اس

لئے کہ راجے مہاراجے رعایا کے امن چین کی فکر کرنے کی بجائے اور ایشور کا خوف رکھ کر اپنے فرائض کی ادائیگی کی جگہ عیش و عشرت و فضول خرچی میں پڑ کر حساب کتاب کی فکر کو بھول جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ سرکار عالیہ کو اپنے کام کے علاوہ ان کی بھی دیکھ بھال کرنی ہی پڑتی ہے۔ اور پھر ان راجاؤں کو تب ہوش آتی ہے۔ جب حساب کتاب کا نوٹس سر پر آ کھڑا ہوتا ہے ؎

نہ راہ رفتن نہ جائے ماندن

اور پھر اُسوقت سوائے پچھتانے کے کوئی اور صورت نظر ہی نہیں آتی۔ برعکس اس کے عالی دماغ حکمران بھی موجود ہیں۔ جن کو روز شب اِس حساب کتاب ہی کی فکر ہے۔ رعایا بھی ان کے گن گاتی ہے۔ اور حکمران عالی بھی اُن پہ مہربان ہیں۔ اُن کی ریاستوں میں خزانہ بھرپور ہے۔ لوگ خوش ہیں۔ تعلیم کا چرچا ہے۔ قوانین کی فرمانبرداری ہے۔ اخباروں میں اُن کی ہمیشہ تعریفیں چھپتی ہیں۔ کیونکہ وہ تو رعایا کے خادم ہی۔ اپنے تئیں جانتے ہیں۔ راج پرماتما کا ہے۔ وہ صرف مختار۔ زندگی سادہ دل میں ایشور کا خوف۔ پھر اُن کی شہرت چاند۔ سورج کی طرح روز افزوں ترقی پر نہ ہو تو کیا ہو۔

# (۶) اہنکار (غرور)

غرور یا گھمنڈ کرنا ہلکے آدمیوں کا کام ہے۔ کیونکہ خالی برتن ہی ہمیشہ آواز دیتے ہیں سہ

تکبر عزازیل را خوار کرد ٭ بزندانِ لعنت گرفتار کرد

جو گرجتے ہیں وہ کم ہی برستے ہیں۔ جو بھونکتے ہیں کاٹتے نہیں۔ اپنے منہ میاں مٹھو بننا زیب نہیں دیتا۔ ع

مشک آں است کہ خود بوید۔ نہ کہ عطار بگوید

کستوری و کافور کو چھپا کر بھی رکھدو۔ وہ جہاں ہونگے خوشبو ہی دینگے۔ نیک انسانوں میں مقناطیسی کشش ہوتی ہے۔ تو آنکھوں میں نور۔ دل میں سرور۔ چہرے پر آب۔ عادات شستہ اطوار میں پسندیدگی۔ و عاجزی ع

نہد شاخ پُر میوہ سر بر زمیں

جو دیکھتا ہے۔ گرویدہ ہو جاتا ہے۔ اپنی شیخی بگھارتے سے شیخی کرکری ہی ہوتی ہے۔ دریودھن نے اہنکار کیا تھا۔ راج پاٹ کھو دیا۔ اپنے خاندان کا ستیاناس کر دیا۔ راون نے سرکشی کی ذلت پائی سہ

یہ نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سُنے
ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سُنے

غرور کا جواب ہمیشہ سختی ہوتا ہے۔ مگر عاجزی کا نرمی۔ تلوار لوہے تک کو تو کاٹ دیتی ہے۔

مگر ریشم کو نہیں - انسان انسان میں باہمی پریم ہونا چاہئے - لڑائی جھگڑے - مقدمہ بازی - لین دین - باہمی مقابلہ وغیرہ باتوں میں کھینچا کھینچی و تناتنی کی بجائے نرمی و انکساری سے معاملات کے سلجھانے کی کوشش ہو تو تمام جھگڑے ختم ہو جاویں - کوئی بھی سخت گانٹھ نرمی اور حوصلہ سے ہی کھل جاتی ہے - چاقو سے کاٹ کر اس کو کھولا تو کیا خوبی ہوئی - نقصان ہو گیا - دھاگے الگ الگ ہو گئے - اس طرح سختی و غرور سے انسانوں میں نفرت پھیلے گی - مگر پریم اور انکساری سے اتحاد -

## ۷ - اہنسا پرمو دھرمہ

## (کسی کا دل نہ دکھانا ہی اعلےٰ دھرم ہے)

دنیا میں آج کل یہ ایک غلط خیال کام کر رہا ہے کہ مہاتما بدھ نے دھرم کا پرچار کر کے سیلف رسپکٹ یا خود داری کا خاتمہ کر دیا ہے - یا یہ کہ ع -

پڑھ لی گیتا تو گھر کا ہے کو کیتا؟

یعنی سری کرشن جی نے گیتا کا اُپدیش کر کے گویا گرہست دھرم کے پریم کا خاتمہ کر دیا ہے - در اصل ہماری سمجھ میں فرق ہے - دونو اپنی جگہ پر سچے تھے - اور سچ کبھی جھوٹ نہیں بن سکتا - دیا کا مسئلہ ذرا غور کے قابل ہے - یہ انسانی فطرت کا ایک اعلےٰ اور انتہائی

نمونہ ہے - چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک انسان و حیوان
سے پریم رکھنا سب کا فرض ہے - جیسے ایک معمولی
انسان اپنے کنبے کے ممبروں کی سلامتی چاہتا ہے -
اس طرح تمام حیوان بھی اپنی اولاد کو پھلتا پھولتا ہی
دیکھنا چاہتے ہیں - کسی انسانی بچے کے قتل پر جیسے اُس
کے ماتا پتا کو دُکھ ہوتا ہے - اور بچہ تڑپ کر جان دیتا
دیتا ہے - ایسا ہی حیوان میں بھی احساس ہم پاتے ہیں
سبکتگین اور ہرنی کی مثال کو یاد کرو - ہرنی پیچھے کیوں
آ رہی تھی - کیا اُسے پکڑے جانے کا خوف نہ تھا -
مگر بچے پر جان قربان کرنا چاہتی تھی - جب سبکتگین کو
ترس آ گیا اور بچے کو چھوڑ دیا - مُڑ مُڑ کر ہرنی پیچھے
کیوں دیکھتی تھی - کیا سُبکتگین کا شکریہ نہیں ادا کر
رہی تھی - اور پھر اس ترس کو پرماتما نے کس قدر
پسند کیا - کہ سبکتگین کو بادشاہت دیدی اور خواب
میں کہہ دیا کہ یہ اس رحم ہی کا انعام ہے - ایسی
مثالیں دیکھتے پڑھتے اور سنتے ہوئے بھی افسوس دُنیا
میں کئی لوگ پھر ہم ایسے پاتے ہیں جن کا کام دنیا کے
خرمنِ امن میں آگ لگانا ہی ہے - اس میں وہ اپنی
خوشی جانتے ہیں - اور عاقبت سے قطعی غافل ہیں - مثلاً
چور - ڈاکو - لٹیرے - ٹھگ - ظالم - جبار وغیرہ - فرض کرو
کہ ایک دُنیا دار کے گھر رات کو چور داخل ہوتے ہیں
اب وہ کیا کرے - اگر دیا کے مسئلہ کا قائل ہے تو وہ اُن
سے اپیل کرتا ہے - خدا کا خوف دلاتا ہے کہ اگر آپ

بھوکے ہیں تو بے شک آپ کو کچھ دے دیتا ہوں ۔ اس پر وہ کچھ رقم اپنی مرضی سے حوالے کر دیتا ہے ۔ مگر اخلاقی جراءت سے نہ کہ ڈر و رعب ہیں آکر اب قانون قدرت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر مقابل ہیں ڈاکو یا چور محض بیکاری یا غریبی سے ہی تنگ آ کر آئے ہیں ۔ تو اُن پر ایک نمایاں اثر ہونا چاہئے ۔ اور ممکن ہے ۔ اس تھوڑی سی بات سے اس منحوس پیشہ کو ہی ترک کر دیں ۔ جیسے بالمیک رشی کی مثال ہمارے سامنے ہے جب وہ رشیوں کی ایک جماعت کو لوٹنے لگا تو اُنہوں نے اس شرط پر سب کچھ حوالہ کر دینا چاہا کہ ذرا گھر والوں سے پوچھ تو سے کہ اس پاپ میں وہ بھی اُس کے ساتھ شامل ہونگے کہ نہیں ۔ جب یہ جواب نے کہا کہ ہم تو تمہاری کمائی چاہتے ہیں ۔ اعمال کی سزا تم نے آپ ہی بھوگنی ہے ۔ تو بالمیک کی زندگی نے پلٹا کھایا ۔ اور وہ بھی ایک رشی بن گیا ۔ یہی حال ایسے چوروں کا ہونا چاہیئے ۔ اور اگر وہ دھرم یا انسانیت سے محض کورے ہیں ۔ بلکہ اُن کی فطرت میں درندگی اثر کر چکی ہے تو ممکن ہے یہ اپیل بہرے کانوں پر پڑے اور وہ مال متاع یا چابیوں کے حوالہ سے انکار پر گھر کی عورتوں تک کی بے عزتی کرنے پر تیار ہو جاویں یا بندوق یا پستول سے سب کے خاتمہ پر ہی تلے ہوں اُس وقت اُس خانہ دار کا فرض ہے ۔ کہ برہمن کے لچھن کو چھوڑ دے اور وہ اب پورا کھشتری بنجائے ۔ نہ صرف وہ بلکہ جتنے گھر میں موجود ہیں یہ سمجھ

ہیں کہ یا تو اُنہوں نے مال و متاع قربان کرنا ہے اور
اپنی آنکھوں اپنی بے عزتی دیکھنی ہے - یا بہادروں
کی موت پا کر سرخروئی حاصل کرنی ہے - تا کہ پرماتما
کے سامنے تو شرمسار نہ ہونگے - یاد رکھو ڈرپوک کئی
بار مرتا ہے - لیکن بہادر صرف ایک بار - راجپوت جب
دیکھتے تھے کہ اب قلعہ محفوظ نہیں رکھ سکتے - ننگی
تلواریں لے کر کٹ مرتے تھے - عورتیں ستی ہو جاتی
تھیں - مگر بے عزتی برداشت نہیں کر سکتی تھیں - اور
یہی کرشن جی کا سچا اُپدیش تھا - کیونکہ اپنی آنکھوں
کے سامنے اپنی عورتوں کی بے عزتی ہوتے دیکھنا - جن
کے دھرم وست کی رکھشا کرنا خانہ دار کا فرض اوّلین
ہے - ایک ادنےٰ درجہ کی ڈرپوکی ہے - اس سے
بہتر یہ ہے کہ وہ اُن چوروں یا ڈاکوؤں سے مارا ہی
جائے چاہے اُس کا سارا خاندان مر مٹے - لیکن
دُنیا اُن کی جرأت کی تعریف ہی کرے گی - اور ممکن
ہے - اس اخلاقی جرأت سے ڈاکو گھبرا ہی جاویں -
یا اس شور شرابہ سے کوئی خدائی مدد ہی پہنچ جاوے
اس لئے ایشور پر بھروسہ رکھ کر کبھی نراش ہو کر
دھرم کو نہیں چھوڑنا چاہیئے - یہ دولت تو
آنی جانی ہے - اور دھرم کے مقابلہ میں زندگی بھی
ہیچ ہے - کیا سری کرشن جی نے مہابھارت کے
جنگ سے پہلے کئی بار اور بار بار اسی بات کی
کوشش کر کے یقین نہیں کر لیا تھا - کہ

دریودھن اپنی ضد پر اڑ گیا ہے۔ اور دھرم سے ہٹ چکا ہے۔ اس لئے اب برہمن کا اپدیش کام نہیں کر سکتا۔ اس لئے اس کے ببدھا کرنے کے لئے نہیں۔ جھوٹ کو لنڈت دینے اور سچ کی رکھشا کرنے کو اب کھشتری کا ڈنڈا چاہیئے؟ لیکن مشکل یہ پڑ گئی کہ میدان جنگ میں جا کر ارجن برہمن بن گیا۔ اُس کو سنسارک و رشتہ داروں کے موہ نے گھیر لیا۔ اس لئے وہاں اُسے دیا کا مسئلہ تنگ کرنے لگا۔ حالانکہ وہ موقعہ ایسا نہیں تھا۔ کیونکہ دیا کا مسئلہ و برہمن کا اُپدیش ناکارہ ہو چکا تھا۔ مگر سچ یا انصاف کی رکھشا ضروری تھی۔ اسلئے ارجن کو یاد دلایا گیا۔ کہ تم کھشتری ہو۔ اور کھشتری کا میدان جنگ میں لڑتے لڑتے مر جانا ہی افضل دھرم ہے۔ اُس کو بتایا گیا کہ تمہاری آتما امر ہے۔ موت سے پھر کیوں ڈرتے ہو۔ جیسا کہ تمہاری آتما کو تلوار کاٹ نہیں سکتی۔ آگ جلا نہیں سکتی۔ پانی گلا نہیں سکتا۔ ہوا سکھا نہیں سکتی۔ اور اسے بتایا گیا کہ تم نے ہزاروں بار جنم لیا اور ہزار بار موت پائی ہے۔

جب آگے مرنا پیچھے مرنا۔ پھر مرنے سے کیوں ڈرنا

بس یہ بات کام کر گئی - ارجن کھشتری بن گیا - جب اس نے اپنا فرض ادا کیا تو سچائی کی فتح ہونی ہی تھی اور ہمیشہ ہوتی آئی اور ہوتی رہے گی - یہ ایک اٹل قانون قدرت تھا - ہمیں کسی سے مقدمہ ہے - دشمن سے یا دین دین کا جھگڑا ہے - اِنسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم پوری طاقت لگا کر اُسے سیدھا راستہ نرمی اِنکساری اور عاجزی سے دکھائیں - بعض دھارمک پرشوں کی سہاتیا لیں - اگر پھر بھی نہیں مانتا - راجہ سے نیائے کرانے کے لئے عدالت میں جاویں - عدالت کے فیصلہ کے باوجود بھی اگر وہ ہماری گردن کاٹنے کو ہمارے گھر آگیا ہے یا آمادہ پھرتا ہے اور اِنسانیت اس پر کوئی اثر نہیں ڈال سکی تو سیلف ڈیفینس میں ہم اس کا خون بھی کر سکتے ہیں تو قانون روا رکھتا ہے مگر دنیا میں ایسے اِنسان بھی مل جاتے ہیں جو اُس انسان کو قصوروار جانتے ہوئے بھی اپنی گردن جھکا دیتے ہیں - اگر ڈر کر وہ ایسا کرتے ہیں - تو وہ یقیناً پاپی ہیں اور انہوں نے اپنی آتما کی ہتک ہے - اور واقعی اُس کی آتما ایسے کمزور شریر کے لائق نہیں - اگر وہ محض دیا دھرم کے مسئلہ پر چل کر ایسا کرتا ہے تو وہ برہمن ہے - ممکن ہے اُس کا گردن جھکا دینا ہی دشمن پر اثر کر جائے اور وہ بھی تلوار ہاتھ سے چھوڑ کر اس کے پاؤں پڑ جائے کیونکہ یہ ایک اعلےٰ اخلاق کا نمونہ پیش کیا گیا ہے اور اُسے یقین ہے

کہ اسکا اپنی گردن جھکانا بھی دہشت یا ظالم پر کچھ اثر نہیں
ڈال سکا بلکہ وہ تو سارے گھر کے قتل و بے عزتی پر
آمادہ ہے تو پھر بھی اُس کا گردن ہی پیش کرتے جانا ایک
سنگین پاپ ہو جائیگا۔ اُسے مر جانا چاہیئے اور تب تک اپنے
آدمیوں کی حفاظت کرنی چاہیئے۔ جن کی زندگی کا اُس پر
دار و مدار ہے۔ یعنی عورتیں و بچے وغیرہ اس لئے جب تک
جان میں جان ہے نہ صرف آپ لڑے۔ بلکہ ان کو بھی
کھشتری بن جانے کی تلقین کرے۔ وہ بیشک مر جاویں۔ اس
میں اتنا نقصان نہیں جتنا اس میں کہ کتے کی طرح بے عزتی
کی موت مر جاویں۔ یہی اعلےٰ دھرم انسانی ہے۔ اس دنیا
میں مشہور عام اعلےٰ ترین اصول تو یہی ہے کہ جو ہم سے
برائی بھی کرے۔ ہم اس سے بھلائی کریں۔ آخر ہماری بھلائی
نیکی سچائی اور انکساری و حوصلہ اُس پر ضرور اثر کریگا کیونکہ
ریشم کو تلوار بھی نہیں کاٹ سکتی۔ مگر اس کی بھی قانونِ قدرت
نے حد مقرر کر دی ہے۔ غصہ چنڈال ہے اور انسان کو اندھا کر
دیتا ہے۔ مگر یہ ایک دوائی بھی ہے۔ جہاں زہر ہلاہل انسان کو
ہلاک کر دیتے ہیں بعض اوقات محض تھوڑی مقدار میں اکسیر کا حکم
بھی رکھتے ہیں۔ مگر بیماریوں کی دوائیوں میں موقعہ شناسی انسان
کا کام ہے۔ دوسرے درجہ کا اصول یہ ہے کہ جو ہم سے بھلائی
کرے ہم اُس سے بھلائی کریں یعنی کم از کم بھلائی کا بدلہ بھلائی تو دینا
فرض ہی نہیں بلکہ قرض ہے۔ اسلئے اگر آپ ایسا نہیں کرتے۔ تو یہ
اصل مع سود در سود۔ ایک دن آپ کو دینا ہی پڑیگا۔ اس
سے آپ بھاگ نہیں سکتے۔ تیسرا ادنےٰ اصول یہ ہے۔ کہ

جو ہم سے بھلائی کرتا ہے اس سے بھی ہم برائی کریں۔ یہ انسانیت کے نام پر ایک دھبّہ ہے۔ یہ محض حیوانیت ہے۔ اگر ایسے انسان اس دنیا میں واقعی ہیں تو وہ ننگِ انسانیت ہیں۔ اُن کا جتنی جلدی خاتمہ ہو دنیا کا امن و امان ترقی کرے گا۔ بارہا سنا و پڑھا گیا ہے کہ جنگلی درندے و حیوانات بھی احسان کو نہیں بھولتے۔ بھاگے ہوئے غلام و شیر کی کہانی اِس کی گواہ ہے۔ غلام نے اس کے پاؤں سے کانٹا نکال کر دُور کر دیا۔ شیر نے اس کا بدلہ یوں دیا کہ جب غلام گرفتار کر کے اس کے سامنے ڈالا گیا۔ شیر نے بجائے اُسے ہلاک کر کے کھانے کے اُس کی قدم بوسی کی۔ خلقت حیران رہ گئی کہ اپنے محسن کے سامنے درندے بھی اپنی فطرت کو بھول جاتے ہیں۔ چہ جائیکہ اِنسان اشرف المخلوقات اِس قدرتی اصول کی خلاف ورزی کرے۔

# چھوت چھات کا مسئلہ

اِنسانی سرشٹی جسم اِنسانی سے مشابہ ہے۔ کہتے ہیں ایک دفعہ اعضائے جسم میں جھگڑا ہو گیا۔ مُنہ کہنے لگا۔ چیزیں تو سب میرے پاس آتی ہیں۔ پھر یہ پیٹ میں کیوں چلی جاتی ہیں؟ حواسِ خمسہ کہنے لگے۔ بھم تو ہم پہنچاتے ہیں؟ منہ کا کیا حق ہے؟ ہاتھ

پاؤں دماغ وغیرہ کہنے لگے۔ کام تو ہم کریں پیٹ کا
کیا حق ہے؟ آخر سب نے منہ کو ہی بڑا قصوروار
ٹھیرایا اور سب نے ارادہ کر لیا کہ اِس کو کچھ بھی
نہیں دینا چاہیئے؟ جلدی اِسے ہوش آ جائیگی۔ چند
دنوں کے بعد آنکھیں دیکھنے سے۔ کان سننے سے اور
ہاتھ پاؤں حرکت کرنے سے بیزار ہونے لگے۔ سر
چکرانے لگا۔ دماغ میں خشکی سما گئی۔ دِل دھڑکنے لگا۔
ہاتھ پاؤں سُن ہونے لگے۔ جب سب کی جان پر آ
بنی تو دماغ نے سمجھایا۔ بابا تم غلطی پر ہو۔ یہ ایک
نظام ہی ایسا ہے۔ پیٹ سب کچھ منہ سے لے لیتا
ہے۔ اور پھر یہ بھی اپنے پاس نہیں رکھتا۔ خوراک
کا خون بن کر خزانۂ دِل میں پہنچتا ہے۔ جہاں سے
بحصۂ رسدی سب کے پاس پہنچ کر طاقت بخشتا
ہے۔ فضلہ خارج ہو جاتا ہے۔ پیٹ کی تو سلامتی ہی
اِس میں ہے کہ اِس میں کچھ نہ رہے۔ ورنہ سخت
قبض ہو کر بیماری کا خطرہ ہونے لگتا ہے۔ سچ پوچھو
تو پیٹ ہی کی سلامتی میں سب اعضا کی سلامتی ہے۔
سب کو ہوش آ گئی اور اِس نظام کے سامنے سب
نے سر جھکا دیا۔ اِنسانی سوسائٹی کا بھی ٹھیک ایسا ہی
حال ہے۔ سوسائٹی کے لیڈر۔ عالم فاضل لوگ سوسائٹی
کا دماغ یا سر ہیں۔ جو اِس کی رہنمائی کرتے ہیں۔ وہ
منہ کی طرح بے غرض ہوں۔ اُن کے خیالات پاک
ہوں تاکہ تعصب کا شکار نہ ہو سکیں۔ کیونکہ یہ سوسائٹی

کے منصف مزاج جج ہیں - اگر ان کا دماغ سلامت
ہے تو سوسائٹی کو کوئی خطرہ نہیں ورنہ قوم کی کشتی
بھنور میں پڑ جائیگی - آج ڈوبی یا کل - کیونکہ یہی لوگ
قومی کشتی کے ملاح ہیں - اُن کا رُتبہ سوسائٹی میں
ایسا ہے - جیسے ان کی سوسائٹی میں سر و دماغ - زمانۂ
جنگ یا امن میں سوسائٹی کا فرض ہے کہ ایسے
لیڈروں کی حفاظت کرے - جیسے جسم پر چوٹ پڑنے
لگتی ہے - تو ہاتھ سب سے پہلے سر کو اِس
سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں - کیونکہ اگر
خدا نخواستہ سر پر کوئی ایسی چوٹ لگ گئی - جس
سے دماغ بے ہوش ہو گیا تو باقی جسم بالکل معطل
و بے حس ہو جائیگا - اِس کی ہستی صفر کے برابر ہو
جائیگی - اِس لئے ان کا فرض اوّلین ہے کہ تمام اعضا
اِس کی حفاظت کریں کیونکہ اس میں ہی ان کی سلامتی
ہے - اِن کی زندگیاں ایک قیمتی خزانہ ہیں - ہمارے
دھرم میں ان کو برہمن کہا گیا ہے اور سوسائٹی پر فرض
ہے کہ چاہے نشٹ ہو جاوے لیکن برہمنوں کی رکھشا
کرے - ورنہ اس قوم کی ہستی معرض خطرہ میں ہے -
مہابھارت کی لڑائی میں برہمنوں کی کثیر تعداد میں مر
جانے سے ہندو قوم اِس نقصان سے ابھی تک نہیں
سنبھل سکی - یہی لوگ اِنسانی سوسائٹی کی پارلیمنٹ -
کونسل و پنچایت میں آ کر وزرا کے فرائض ادا
کرتے ہیں - انہیں کے دماغ پر بادشاہوں کی حکومتیں

چل رہی ہیں - جن کو پرماتما نے دماغ دیا ہے - اور
اُس میں عقل دی ہے - لوگ ایسے آدمیوں کو سر
آنکھوں پر بٹھاتے ہیں +

دوسرے درجہ پر جسم انسانی کے ہاتھ و بازو ہیں
جو انسانی سوسائٹی میں راجہ مہاراجہ - فوجی افسر - سپاہی
والنٹیئر - پولیس کی صورت میں نمایاں ہیں - سوسائٹی کی
سلامتی کے محافظ و ضامن امن وامان ہیں - کسی بھی
خطرہ کے مقابلہ میں وہ سامنے آنے کو تیار ہیں - دماغ
کے حکم کی تعمیل اِن کا فرض منصبی ہے - چوں چرا کرنا
اِن کا کام نہیں - دماغ کا فیصلہ اِن کے لئے قطعی و
ناطق ہے یعنی برہمنوں لیڈروں و وزرات کے یہ تابع
فرمان ہیں - خود قربان ہو جانا لیکن دماغ و جسم کی حفاظت
کرنا اِن کا فرض اوّلین ہے - بے خوفی - بہادری - جان
نثاری اور فرمانبرداری اِن کا کام ہے +

تیسرے درجہ پر جسم انسانی میں پیٹ ہے - جو انسانی
سوسائٹی میں سرمایہ دار لوگ سیٹھ یا ویش تاجر - سوداگر -
زمیندار لوگ ہیں - جن کا کام دھن دولت اکٹھا کرنا ہے -
اپنا گذارا چلانا و سوسائٹی کے تمام اعضا کی معاش و
خوراک کا انتظام کرنا اِن کا فرض ہے - یہی لوگ ہیں
جو سوسائٹی کے دماغ سے لے کر پاؤں تک کی پرورش
کرتے ہیں - سرکاری خزانہ میں روپیہ جمع کرتے ہیں -
جس سے سوسائٹی کا سارا نظام چلتا ہے - کاشت کاری
صنعت حرفت - تجارت اِن کا کام ہے - ساری سوسائٹی

کا بوجھ اِن کی کمائی پر کھڑا ہے۔ اِن کو دان خیرات دینا۔ ٹیکس ادا کرنا۔ دھرم و ایمان سے دولت جمع کرنا۔ اور کڑے وقت پر سب کی اِمداد کرنا اِن کا کام ہے۔

چوتھے درجہ پر پاؤں ہیں۔ جن پر سارے جسم کا بوجھ کھڑا ہے۔ اِن کو کاٹ دو تو جسم ٹھیر نہیں سکتا لولا۔ لنگڑا۔ محتاج ہو جاویگا۔ چاہے زندگی موجود ہو اور دماغ بھی سلامت ہو تو بھی جسم ناتواں و محتاج رہیگا۔ یہ سوسائٹی کے سیوک خدمت گذار ہیں۔ جن کو ہم بھنگی چمار۔ اچھوت۔ مزدور ادنےٰ کہیں و ہری جن کے خطاب سے یاد کرتے ہیں۔ یہ سوسائٹی کا ایسا ضروری حصہ ہیں۔ جیسا کہ جسم کے لئے پاؤں۔ اِن سے نفرت و چھوت کرنا مہاں پاپ ہے۔ بیشک یہ محض گندگی و غلاظت کا کام کرتے ہیں۔ مگر یہ سب سوسائٹی کی ہی بہتری کی خاطر ہوتا ہے۔ جسم اِنسانی میں ہاتھ روزانہ بھنگی کا کام کرتے ہیں۔ مگر ہم ان کو کاٹ نہیں ڈالتے۔ صابون سے دھو کر ان کو صاف کر کے پھر ان سے کھانا کھانے لگتے ہیں۔ ماتا اپنے بچے کا پاخانہ صاف کرتی ہے۔ لیکن پھر انہی ہاتھوں کو صاف کر کے کھانا تیار کرتی ہے۔ جسے ہم سب کھاتے ہیں۔ یہ لوگ بھی جب غلاظت کا کام کر رہے ہوں۔ بے شک ان سے ہم نہ ملیں۔ لیکن جب اس کام سے فارغ ہو کر صاف ستھرے بن کر ہم میں آ کر شامل ہوں۔ تو ان کے ساتھ مل جل کر کھانے پینے و ملنے جلنے سے نفرت نہیں کرنی چاہیئے۔ ایسا ہی قانون قدرت ہے۔ کیسے

افسوس کی بات کہ ہمارے کھانے کے وقت کُتّا - بلی - کوّا وغیرہ تو سامنے بیٹھے رہیں مگر اِن اِنسانوں کا ہم پر سایہ بھی پڑ جاوے تو ہمارا کھانا و کپڑے ناپاک ہو جاتے ہیں - اپنی اِنسانی سوسائٹی و برادری سے اِس قدر نفرت کرنا ایسا گناہِ عظیم ہے جس کا جواب متعصب اِنسانوں کو ایک دِن پرورد گار کو دینا ہوگا کیونکہ پرماتما نے اِنسانی سوسائٹی میں ان کو برابر رتبہ دیا ہے - ان کے اور ہمارے جسم میں کوئی تمیز نہیں رکھی گئی - اِن کی تعلیم تہذیب و تصدیق کی تربیت کا فرض انسانی سوسائٹی پر ضروری ہے تاکہ یہ بھی جہالت کے گہرے غار سے نکل کر ترقی یافتہ قوم کی صف میں آ کھڑے ہوں - اور جدید سائنس کے طریقوں سے اپنے اپنے پیشوں میں ترقی کر کے اِنسانی سوسائٹی کے لئے اور بھی زیادہ مفید ہوں

# ۱۴ - عِلّت و معلُول کا سِلسلہ

دنیا کے سب کام ایک چکر کی صورت میں ہو رہے ہیں - مثلاً زمین چاند کی گردش - سمندروں سے پانی کا بخارات بننا - پھر بادل بن کر بارش سے روئے زمین کو سیراب کرنا اور پہاڑوں پر برف کی صورت میں جمع ہونا - پھر سورج کی گرمی سے پانی بن کر دریاؤں و نہروں سے سطح زمین پر سیراب کرتے ہوئے آخر پھر سمندر میں مل جانا - پانچ عناصر کا روح کے ساتھ مل کر جسم اِنسانی یا حیوانی بننا - پانی ہوا غذا سے پرورش پا کر نشونما پانا - بڑھنا - خوراک کا کھاد کی حالت

میں خارج ہو کر پھر کھیتوں میں چلا جانا اور اُس سے نباتات کی شکل میں تبدیل ہو کر پھر واپس آنا۔ موت کے بعد انسانی جسم کے عناصر کا پھر منتشر ہو جانا۔ خطِ استوا سے ہواؤں کے سلسلہ کا چلنا اور شمال جنوب کو دنیا کے گرد چکر لگا کر پھر خطِ استوا کو آنا۔ دن کے بعد رات۔ رات کے بعد دن۔ سُکھ کے بعد دُکھ۔ دُکھ کے بعد سُکھ۔ دھوپ کے ساتھ سایہ۔ سایہ کے ساتھ دھوپ۔ چاروں موسموں کا تغیر و تبدل۔ اندھیری راتوں کے بعد چاندنی اور چاندنی کے بعد اندھیری۔ بیج سے انگوری پھر پودہ پھر درخت پھر پھول۔ پھر پھل اور آخر میں پھر بیج کا نمودار ہونا۔ اِس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ دنیا اس علت و معلول کے سلسلہ میں قائم ہے۔ اس لئے لازم ہے کہ زندگی کے بعد موت اور موت کے بعد زندگی واقع ہو۔ گویا تناسخ کے چکر کو قانونِ قدرت ثابت کر رہا ہے۔ اِس دنیا میں بھی کبھی کبھی ایسی مثالیں سامنے آ ہی جاتی ہیں۔ جب کہ کبھی کسی بچہ کو پچھلے زندگی کے واقعات یاد رہ گئے اور انہوں نے پرانے رشتہ داروں کو پہچان لیا۔ مثلاً ہندی مِلاپ ۱۸ ستمبر ۱۹۳۳ء میں ایک سات سالہ بچے کی تصویر دی گئی ہے جو ماسٹر منوہر لال جی کا لڑکا ہے۔ پہلے جنم کے حالات بتلاتا ہے۔ جب انارکلی میں رہتا تھا۔ اب فیروز پور میں ماسٹر جی کے گھر جنم لیا ❖

---

# ۱۵- موت کیا چیز ہے

ہم موسم کے مطابق جسمانی لباس تبدیل کرتے رہتے ہیں- جب کوئی لباس پرانا و بوسیدہ ہو جاتا ہے- اُسے اُتار پھینکتے ہیں- اور نیا زیب تن کرتے ہیں- سری کرشن جی کے الفاظ ہیں بعینہٖ جسم روح کا لباس ہوتا ہے- یہ جسم جب عمر یا کسی بیماری کے کارن بوسیدہ ہو جاتا ہے- اور اس قابل نہیں رہتا کہ مزید قابل استعمال ہو تو روح اُسے اُتار پھینکتی ہے- جسے ہم موت کہتے ہیں- حیرانی ہے کہ جب ہمیں لباس میں تبدیل کرتے وقت خوشی ہوتی ہے- پھر روح کے لباس تبدیل کرتے وقت لوگ روتے کیوں ہیں؟ اس لئے کہ چند دِنوں کے ساتھ رہنے سے رشتہ داروں میں جھوٹی اُلفت پیدا ہو جاتی ہے- درحقیقت یہ تعلقات محض عارضی ہیں- ہمارا حقیقی و دائمی رشتہ دار تو پرماتما ہے- باقی سب رشتہ دار بیٹا- پوتا- عورت- ماں- باپ اس دنیا کے ساتھی ہیں اور ہر ایک اپنے اپنے اعمال کا ذمہ وار ہے- یہی وجہ ہے- کہ جب کوئی ایسا آدمی مرتا ہے- جس سے برائے نام واقف ہیں یا جس سے ہمارا کوئی رشتہ نہیں- اُس کے لئے ہمیں کوئی غم نہیں ہوتا لیکن اگر ایسی بات کو یاد رکھا جاوے کہ روح یا آتما تو امر ہے- اسے موت مار نہیں سکتی- پانی گلا نہیں سکتا- ہوا سکھا نہیں سکتی- تلوار

کاٹ نہیں سکتی ۔ آگ جلا نہیں سکتی ۔ موت تو محض
چولا ہی بدلنے کا نام ہے ۔ یعنی اپنے اعمال کے مطابق
روح نئے نئے جنم اختیار کرکے وچرتی ہے تو پھر ہمیں
کیوں دکھ ہو ۔ گیتا میں سری کرشن نے اس سوال
پر مدلل بحث کی ہے ۔ اور ارجن کو آخر تیار کر
لیا ۔ اور وہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو جو اُس
کے سامنے صف بستہ کھڑے تھے ۔ سچ کی حمایت
کی غرض سے تیروں سے اڑا دے ۔ البتہ موت
کے وقت اس آدمی کو ضرور افسوس کرنا چاہئے
جس نے اپنی زندگی حیوانوں کی طرح گذار دی
اور دم بھر بھی قانون قدرت کی پرواہ نہ کی
جیسا کہ ایک شاعر واضح کرتا ہے ۔ ؎

ایک وہ جس نے مصیبت میں گذاری زندگی
ایک وہ جس کی گئی راحت میں ساری زندگی
ایک وہ جس نے اٹھایا عمر بھر غیروں کا بوجھ
ایک وہ جس کو ہے خود اپنی بھی بھاری زندگی
ایک وہ نادان جس نے دم بھر بھی نہ پرواکی
اور حیوانوں کی مانند ہی گذاری زندگی
ایک وہ بدبخت جس نے سخت نادانی کیساتھ
اپنے ہی ہاتھوں گنوادی اپنی پیاری زندگی
کیوں نہ جھونکا موت کا ہم کو اڑا لے جائے جب
ہے ہوا اک دھوکے کی ٹٹی جب ہماری زندگی

اِس اِنسانی جامہ یا جنم کا مُدعا یہ تھا ۔ کہ ہم
ایسے نیک اعمال کریں کہ ترقی کر کے دیوتا یا
دھرماتما بن کر مُکتی حاصل کر کے اس جنم مرن
کے بندھن سے آزاد ہو جاویں ۔ مگر بہت کم
لوگ ایسی پرواہ کرتے ہیں ۔ ایک طالب علم
دِن رات اِمتحان کی کامیابی کے لئے کوشاں
رہتا ہے ۔ کہ کہیں فیل نہ ہو جاوے حالانکہ اُسے
یہ خوف بھی نہیں کہ فیل ہو کر نچلی جماعت میں
وُہ گرا دِیا جائے گا ۔ مگر انسانی جامے میں
اِس بات کا بھی خوف موجُود ہے ۔ کہ اگر ہم
نے نیک اعمال کئے تو انسان کی حیثیت
سے ترقی کر کے دیوتا بن کر مُکتی حاصل کر
سکتے ہیں ۔ ورنہ اگر نیک و بد اعمال برابر
ہوں تو پھر اِس انسانی جامے کو اختیار کریں گے
اَور اگر بد اعمال زیادہ ہیں تو چرند ۔ پرند
و درند کے جنم میں پھر ہم کو چوراسی لاکھ
جنم کے چکر میں پھرنا پڑے گا ۔ اور پھر کہیں
خوش قسمتی سے انسانی جامہ مِلے گا ۔ اَور یہی
ایک سیڑھی ہے ۔ جہاں سے انسان چڑھ کر
فرشتہ یا دیوتا بن سکتا ہے ۔ اَور مُکتی پا کر
اپنے پیارے پرماتما کا قرب یا درشن پراپت
کر سکتا ہے ۔ اگر اس منزل پر بھی آ کر
انسان ہوش میں نہ آوے اور بدستور عیش و عشرت

و بد اعمال میں جیون گذار دے - تو وہ یقیناً
نیچے گر کر حیوانوں - جانوروں - پرندوں - درندوں
کے بھیس میں چوراسی لاکھ جنم طے کر کے پھر
اس قابل ہوگا کہ اُسے اِنسانی جامہ پھر ملے
افسوس کہ ایسے سخت امتحان کی تیاری کی
کسی کو فکر ہی نہیں ہے - یہ بات سب لوگ
اچھی طرح جانتے ہیں - کہ دولت دُنیا حشمت
جاگیر رُتبہ - خطاب سب یہاں دھرے رہ جائیں
گے - کوئی بھی ایسی چیز ہمارا ساتھ نہ دے گی.
جن سے آج ہم ایسے لپٹے ہوئے ہیں - محمود
غزنوی آخر تاخت و تاراج کے بعد موت کے
وقت ہر ایک قیمتی چیز کو دیکھ دیکھ کر زار
زار روتا گیا - سکندر اعظم نے ساری دُنیا کو
فتح کر لیا مگر ہاتھ کفن سے باہر خالی تھے -
اس دُنیاوی جاہ حشمت کا کچھ ایسا نشہ ہمارے
سروں پر سوار ہے کہ ہمیں دِن رات کے چوبیس
گھنٹوں میں دو گھنٹے روز بھی نہیں مل سکتے کہ ہم
اُس پرماتما کا بھی تو خیال کریں اور کچھ عاقبت کے
لئے بھی تو سرمایہ اکٹھا کر لیں - روز و شب دوڑ
دُھوپ اگر ہے تو دُنیاوی دھن کے سمیٹنے میں -
میونسپل ڈسٹرکٹ بورڈ یا کونسل کے ممبر بننے کے
لئے خطابات و جاگیروں کے حاصل کرنے کے لئے
اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے - کہ یہ تمام چیزیں

شاید انسان اپنے ساتھ لے جائے گا۔ بہت تھوڑے اِنسان ہیں جو محض خلقِ خدا کی خدمت کے لئے اِن کے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو ایسا کرتے ہیں۔ وُہ واقعی مُبارک ہیں اُنہوں نے دِین و دُنیا کے لئے سرمایہ اِکٹھا کر لیا۔ مگر کثرت اُن لوگوں کی ہے۔ جن پر یہ مِثال صادق آتی ہے کہ ؎

گئے دونو جہان کے کام سے ہم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے
نہ خدا ہی مِلا نہ وصالِ صنم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

اور ایسے ہی لوگ موت کے وقت گھبراتے ہیں اور پس و پیش کرتے ہیں۔ ورنہ نیک آدمی تو خوش خوش پرماتما کی گود میں چلے جاتے ہیں۔ جیسے کوئی سکول ماسٹر طلبہ کو گھر کا کام دیتا ہے۔ دُوسرے دن وہ لڑکے گھنٹہ بجنے پر خوشی خوشی سکول چلے آتے ہیں جنہوں نے اپنا کام پورا کر لیا ہے اور وقت ضائع نہیں کیا اور بے فائدہ کھیل کُود میں مصرُوف نہیں رہے۔ باقی آنے سے کتراتے ہیں۔ سَو بہانے بناتے ہیں۔ اور آخر پکڑے آتے ہیں اور جب بازپُرس ہوتی ہے تو حقیقت کھُل جاتی ہے۔ ساری جماعت کے سامنے شرمندہ ہوتے ہیں اور سزا پاتے ہیں۔

---

# ۱۶۔ کیا ہم اپنی عمر بڑھا سکتے ہیں؟

یہ ایک دلچسپ سوال ہے جو آج کل بڑے ذوق شوق سے پوچھا جا رہا ہے - ہر ایک انسان کی عمر اُس کے پچھلے اعمال کے مطابق خداوند تعالےٰ نے مقرر کر دی ہے - اب اِس کو بڑھانا یا گھٹانا خود اِنسان کے اختیار ہے - مثال کے طور پر آپ یوں سمجھیں کہ پانی کا ایک گھڑا بھر کر رکھ دیا گیا ہے - جو انسان کی مقرر عُمر کو ظاہر کرتا ہے - اگر آپ اِس کو سوچ کر خرچ کرینگے تو زیادہ دیر تک چل سکتا ہے - لیکن آپ بے احتیاطی سے اس میں سوراخ ایک یا کئی کر دینگے یا اِس پانی کو بے اعتدالی سے خرچ کرینگے اور مختلف نشوں - عیش و عشرت وسہولت کی ٹونٹیاں لگاتے جائیں گے تو یہ اور جلدی ختم ہو جاوے گا - اور برعکس اس کے اگر آپ دانش - صحت و صفائی پاکیزگی - برہمچریہ کے اصول پر چلیں گے تو گویا آپ اس گھڑے میں اُوپر سے بھی کچھ پانی بھی ڈال رہے ہیں - کم از کم اس پانی کو محفوظ رکھ رہے ہیں - تاکہ یہ بخارات بن کر بھی نہ اُڑ جائے - انسان کی عمر کا بھی یہی حال ہے اگر ہم پاکیزہ و نیک بن کر قانون

قدرت کے مطابق زندگی بسر کریں - تو ہم ضرور پوری و مکمل عمر اِس دُنیا میں گذار سکتے ہیں - اگر عیش و عشرت و سہولیت میں پڑ گئے تو گویا گِنتی کے سانس جو ملے تھے ہم نے جلد ہی خرچ کر ڈالے - اور موت کے پنجہ میں آ گئے - اگر ہم نے ریاضت و برہمچریہ میں زندگی بسر کی تو گویا اپنی عمر کو اور لمبا کر دیا یا دوسرے معنوں میں سانسوں کو ہم نے کفایت سے خرچ کیا - البتہ آفات ناگہانی بھی ہیں جن کو اکال مرتیو کہا گیا ہے - مثلاً سانپ کا ڈس جانا - بجلی کا گرنا پانی میں ڈوب جانا - قتل ہو جانا - خود کشی کر لینا یہ ایسی باتیں ہیں - جن کو قدرتی موت نہیں کہتے اس کی مثال یوں ہے - جیسے گھڑے کو اچانک کوئی پتھر مار کر توڑ دے اور پانی آناً فاناً میں بہ کر ضائع ہو جائے - یا فوراً دُوسرے گھڑے میں ڈال دیا جائے - اکال مرتیو میں اِس لئے باقی ماندہ سانس پھر انسانی جامہ میں آکر گذارنے ہی پڑتے ہیں

# ۱۷- روحوں سے بات چیت

جیسے جسم انسانی کو بوسیدہ لباس کے اُتار دینے اور نیا لباس اختیار کرنے میں آخر کچھ وقت لگتی

ہے ٹھیک اس طرح جب رُوح اس جسم فانی
کو چھوڑتی ہے۔ تو دوسرا لباس اس کے لئے
تیار ہوتا ہے۔ جیسے درختوں پر کوئی کیڑا ایک
پتے کو تب چھوڑتا ہے۔ جب دوسرے پتے
پر پاؤں جما لیتا ہے۔ اِسی طرح رُوح شکم مادر
میں آجاتی ہے۔ اور ایسا ہی سلسلہ اس دُنیا
میں چلتا رہتا ہے۔ اِس لئے اگر اِس اصول
کو تسلیم کر لیں۔ جیسا کہ مختلف اُپنشدوں میں
کہا گیا ہے۔ کہ رُوحیں کسی مقام پر کبھی فارغ
ہو کر نہیں بیٹھ سکتیں کہ آپ اُن کو بُلا کر بات
چیت کر سکیں۔ یہ محض ایک ڈھونگ ہے۔ اور
کچھ بھی نہیں۔ نباتات میں بھی ہم ایسا دیکھتے
ہیں۔ کہ جونہی تیج زمین میں دفن ہو کر گلتا ہے
اُس سے فوراً ہی ایک انگوری پھُوٹ نکلتی ہے۔
جو نئی زندگی اختیار کر کے زمین سے باہر آجاتی
ہے۔ اور اُس بیج کی ظاہراً موت ہو جاتی
ہے۔ اگر قانون قدرت کے مطابق اس انگوری
کی نشوونما ہو رہی ہے تو وہ بڑھ کر پودہ
بن جاتی ہے۔ پھر اُس سے کئی نسلیں تیار
ہوتی ہیں۔ اور یہ سلسلہ قائم رہتا ہے۔ اگر
بیج گل سڑ گیا ہے تو کھاد کی صورت میں دیگر
پودوں کی نشوونما کر کے پھر کسی پودے میں
آجاتا ہے۔ اور اگر کسی چرند پرند کے شکم میں

آ گیا تو اُس کے گوبر و بیٹ سے نکل کر پھر
دُنیا میں آ جاتا ہے۔ بعض اوقات پرندوں کے
پیٹ سے بیج اَن ہضم نکل آتے ہیں اور اُن
سے نباتات اُگ آتی ہے۔ اور جس طرح
اعلےٰ قسم کا بیج محفوظ رکھ کر اُس کو حسبِ موقع
ہم نمائش میں بھیجتے رہتے ہیں۔ اِس طرح جب
ایسی رُوحیں نیک زندگی گذار کر جنم مرن کے
بندھن سے نجات پا لیتی ہیں۔ اُن کو بھی پرماتما
دیگر اِنسانوں کی ہدایت کے لئے حسبِ موقعہ وقتاً
فوقتاً پیغمبروں۔ نبیوں اولیاؤں اور مہاتماؤں کے
لباس میں پھر دنیا میں بھیجا کرتا ہے۔ باقی رُوحوں
سے بات چیت ایسی ہے۔ جیسے ہم مرے ہوئے
لوگوں سے خواب میں گفتگو کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ
یہ کچھ نہیں ہوتا محض ہمارے دماغ کے خیالات
کا عکس ہی ہوتا ہے۔ جس قسم کے خیالات
ہمارے دماغ میں چکر لگائینگے اُنہی کی تصاویر
ہم خواب میں دیکھا کریں گے۔ ایسا ہی قانون
قدرت ہے۔ کئی آدمیوں نے ولایت جا کر
روحوں کی گفتگو یا اُن کے فوٹو کھینچ آنے کی
تحقیقات کی مگر سوائے تضیع زر و تضیع اوقات
کے کچھ بھی حاصل نہ ہو سکا

---

# ۱۸۔ سُورگ و نرگ (بہشت و دوزخ)

بعض لوگ اس قِسم کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ بہشت ۔ دوزخ واقعی کوئی مقامات ہیں ۔ جہاں پرماتما دربار لگائے بیٹھا ہے رُوحوں کے مقدمے پیش ہوتے ہیں ۔ گُناہ گاروں کو دوزخ کی آگ میں جلایا جاتا ہے ۔ نیک آدمی سُورگ یا بہشت کے مزے لُوٹتے ہیں ۔ یہ ایک محض وہم ہے ۔ اَور کچھ نہیں ۔ قانونِ قدرت میں سزا و جزا ساتھ ساتھ ہی چل رہی ہے ۔ اِس دُنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ کئی راجے مہاراجے بادشاہ تو محض حُکم چلانے کے لِئے ہی پیدا ہوئے ہیں سب نعمتیں اُن کے سامنے دست بستہ حاضر ہیں ۔ اُن سے نیچے پھر ان کے افسر ہیں ۔ اُن کی بھی زندگی قابل رشک ہے ۔ اِن دولتمندوں رئیسوں جاگیرداروں سیٹھوں کو چھوڑکر اب غریبوں کو دیکھئے ۔ وہاں فاقہ کشی سے روزگار کی فِکر دِن رات کھائے جاتی ہے ۔ اولاد کثیر ہے ۔ بعض ایسا نظارہ نظر آتا ہے ۔ کہ دولت بے حد ہے مگر کھانے والا کوئی نہیں ۔ لیکن غریبی و فاقہ مستی ہے ۔ مگر اولاد کثیر ہے ۔ اس سے آگے چل کر پھر محتاج ۔ اندھے لُولے لنگڑے اپاہج لوگوں کا

مشاہدہ کرو اُن کی زندگی کو دیکھ کر واقعی بڑا افسوس آتا ہے ۔ قابل رحم حالت ہے ۔ بیچارے جیتے جی عذاب میں سڑ رہے ہیں ۔ اِس سے اَور آگے چلو تو جانوروں کی زندگی ہے ۔ لیکن کُتوں کے لئے بھی مخمل کے بچھونے ہیں ۔ گھوڑوں کے لئے زیورات ۔ ہاتھیوں کی پرستش ہو رہی ہے ۔ اُدھر بیل اور بھینسے چھکڑے ہانک رہے ہیں گردن زخمی ہے ۔ مگر کوچوان فرشتۂ موت گردن پہ سوار ہے ۔ چابک پر چابک لگ رہا ہے ۔ نہ گرمی کا خیال نہ سردی کا بچارے ہانپ ہانپ کر بوجھ کھینچ رہے ہیں کیا کریں قہر درویش بر جان درویش ۔ حضرت انسان بندوق و جال ہاتھ میں لیکر درند و پرند کا شکار کھیل رہا رہے ہیں ایک گولی سے کئی پرند ہانپتے ہانپتے گر پڑتے ہیں اور یہ اُس کی تفریح ہے ۔ سینکڑوں مچھلیاں جال میں پھنس کر اس کی خوراک کا لقمہ بنتی ہیں ۔ کیا یہ بہشت دوزخ کے نظارے سے کچھ کم ہیں آنکھ کھول کر دیکھیں تو ہم کو بہشت دوزخ اِس دُنیا میں نظر آسکتا ہے ۔ اور حقیقت میں ہے بھی یہیں اَور کہیں نہیں ۔ کیونکہ بہشت یا سورگ کا مطلب ہے نیک اعمال کا انجام یا جزا یا سُکھ اور دوزخ یا نرگ کا نام ہے ۔ دُکھ یعنی بد اعمال کی سزا

جو لوگ اِس دنیا میں عیش عشرت سُکھ آرام بے فکری و حکومت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ وہ واقعی بہشت میں ہیں۔ اَور ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ پچھلے جنم میں اُنھوں نے واقعی نیک کام کئے ہونگے۔ جن کے عوض میں اس قدر نعمتیں قانون قدرت نے اُن کو میسّر کر دی ہیں۔ برعکس اس کے جو لوگ دن رات تکلیف۔ دُکھ عذاب فکر بیماری میں مبتلا ہو کر زندگی کے دن کاٹ رہے ہیں۔ وہ واقعی اپنے پچھلے جنم کے کرموں کا پھل بھوگ رہے ہیں تاکہ عبرت حاصل کریں اگر ایسی بات نہ ہو تو پھر قانون قدرت پہ اعتراض ہو سکتا ہے۔ کہ جب انسان سب برابر ہیں۔ تو کیوں ایک امیر ہے اَور دُوسرا غریب۔ کیوں ایک اندھا اَور دوسرا کانا۔ کیوں ایک بیمار ہے۔ دُوسرا تندرست۔ کیوں ایک حاکم ہے۔ اور دُوسرا محکُوم یہ کرم کی فلاسفی واقعی عجیب ہے۔ جیسا کوئی بوئیگا ویسا کاٹیگا۔ یہ قُدرت کا اصُول ہے۔

گندم از گندم بروید جو از جو
از مکافاتِ عمل غافل مشو

اس لئے انسان اِس دُنیاوی بہشت و دوزخ سے عبرت حاصل کر کے عاقبت سُدھار سکتا ہے اَور کسی اور دنیا کے بہشت و دوزخ کے لئے

یا خیال خام میں اپنی زندگی کو ضائع نہ کرے۔ موجودہ زندگی کے اعمال ہماری آیندہ زندگی کی بنیاد رکھ رہے ہیں۔ جو اِس زندگی کے اعمال کا نتیجہ ہوگا۔ وُہی ہماری قسمت یا تقدیر ہے۔ اِس لئے تو کہا گیا ہے۔ کہ انسان کی قسمت خُود اُس کے اپنے ہی ہاتھ میں ہے۔ چاہے تو اُسے بنا دے چاہے اُسے بگاڑ دے۔

## ۱۹۔ خلاصہ

موجُودہ دُنیا بھی ویسے ہی وُجود میں آئی۔ جیسے ہم۔ اِس کی عمر کروڑہا برس ہے۔ پرماتما نے یہ دُنیا ہمارے سُکھ و آرام کے لئے بنائی ہے۔ پرماتما پر ہمیشہ بھروسہ رکھو۔ یقین رکھو کہ وُہ آپ کے اندر براجمان ہیں۔ اُن کی باہر تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف اپنے آئینۂ دِل کو گناہوں کی آلائش سے پاک صاف رکھو اور خیالات کو مختلف بدیوں میں منتشر نہ ہونے دو۔ اپنی آتما کی آواز کو سُنو اور اس پر عمل کرو۔ مختلف مذاہب کی کش مکش و لفظی دلیل بازی سے آپس کا پریم گھٹتا ہے۔ ہم اپنے اصلی مُدعا سے دُور نِکلے جاتے ہیں۔ اور بعض اوقات اُسے بھول

جانتے ہیں ۔ قدرت کی کھلی کتاب پر وشواس
رکھو ۔ یہ ہمارے بہت سے شکوک رفع کردیگی
قوانینِ قدرت کا بغور مطالعہ کرو اور ان کو
سمجھ کر ان پر سرگرمی و دیانتداری سے چلنے
و عمل کرنے کی کوشش کرو ۔ یاد رکھو کہ سانچ
کو آنچ نہیں ۔ بہ حیثیت اِنسان تمام بنیِ نوعِ
انسان سے بلا تمیز مذہب و فرقہ ہمدردی و محبت
رکھو ۔ دوسروں کی خوبیوں کو اختیار کرو ۔ نقائص
کو چھوڑ دو ۔ اپنی خوراک لباس زبان و رسم و رواج
کو یکسانیت میں لاؤ تاکہ آپ کا شمار تہذیب و
ترقی یافتہ لوگوں میں ہو ۔ یاد رکھو تمام زبانیں
صرف اظہارِ خیال کا ذریعہ ہیں اور لباس ہماری
تہذیب کا نشان ۔ کبھی نہ بھولیں ۔ کہ آپ
اشرف المخلوقات ہیں ۔ اِس لئے خدا نے آپ
کو عقل بخشی ۔ آپ پر بھاری فرائض ہیں ۔ جس
نے آپ کو پیدا کیا اِنسان بنایا ۔ طرح طرح کی
بے بہا نعمتیں آپ کو میسر کیں ۔ اُس کا شکریہ
آپ پر فرض ہے ۔ آگ پانی ہوا زمین آکاش
سب آپ کی سیوا کے لئے ہیں ۔ اِنکے سوبھاو
کو جان کر فائدہ اُٹھاؤ ۔ یاد رکھو کہ روزمرہ
ہم ان کو خراب کرتے ہیں ۔ اس لئے لباس و
جسم کی صفائی و پاکیزگی کی مانند اِن کی صفائی
کا بھی انتظام کریں ۔ ماتا پتا نے آپ کو پیدا

کیا پرورش کی اس لئے بزرگوں کی خدمت
و تابعداری آپ کا فرض نہیں بلکہ قرض ہے۔
آپ اپنی سنتان کے لئے نمونہ بن کر دکھاؤ
آپ کے کھانے میں محتاجوں غریبوں۔ مسافروں
گھریلو جانوروں و پرندوں کا بھی حصّہ ہے۔ کھانا
کھاتے وقت اِن کو نہ بھولیں۔ آپ کی زندگی
بے فائدہ نہیں بنائی گئی۔ اِس کا ایک پروگرام
ہے۔ پہلے حصّے میں تعلیم حاصل کرو۔ جسم کو
مضبوط بناؤ۔ دُوسرے میں خانہ داری کے فرائض
دھرم پر چل کر ادا کرو۔ تیسرے حصّے میں دُنیا وی
خواہشات و تحریکات سے سبکدوش ہو کر آرام
کرو و دھارمک پستکوں کا مزید مطالعہ کر کے
خدمتِ خلق کا سبق سیکھو۔ چوتھے حصّہ میں مخلوق
کی بہتری میں لگ جاؤ۔ کیونکہ ؎

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

گمراہوں کو سیدھے راستہ پر لاؤ اپنے جیون
کو ایشور بھگتی و سیوا میں لگا کر سپھل کرو۔
پھر پرماتما کی گود میں جا کر آنند حاصل کرو۔
اور جنم مرن کے چکر سے نجات حاصل کرو۔
حواس خمسہ کے دام میں مت پھنسو ان کو
اپنی ضمیر و عقل کے تابع رکھو۔ یاد رکھو کہ کسی
کا دِل نہ دُکھاؤ یہ بڑا بھاری پاپ ہے۔ زبان
کا زخم کبھی نہیں مِلتا۔ دُنیا ایک چکر میں چل

رہی ہے - اور سب فانی ہیں - اور آتما تو امر ہے - پھر موت سے کیوں ڈرتے ہو - دھرم پر چل کر سادہ جیون سے پوری عمر آنند سے بھوگ سکتے ہو - ورنہ وشئے وکار میں پھنس کر عاجز ہو کر کتے کی موت مرنے میں کیا فائدہ ؟ اس دُنیا کے رشتے ناطے سب عارضی ہیں - سچا و حقیقی رشتہ دار سب کا پرماتما ہی ہے - اسی کو یاد رکھو باقی سب کو بھول جاؤ - اُن کی موت کے بعد آپ کا اُن سے کوئی سمبندھ نہیں رہا - بہشت و دوزخ ہمارے کرموں کے پھل ہی کا نام ہے - اس لئے اس دُنیا میں نیک کمائی کرو تا کہ اگلے جنم میں سُکھ پاؤ - یہ دھن دولت مال خزانہ یہاں دھرا رہ جائے گا - آپ کا دھرم و کرم ہی آپ کے ساتھ چلیگا - اس لئے یہی سرمایہ اکٹھا کرو - تا کہ سُکھ مل سکے - یاد رکھو کہ پرماتما نے آپ کو ایک اِمتحان میں ڈال رکھا ہے - جو اس اِمتحان میں پُورے اُتریں گے - سرخرو و نیک نام ہونگے - باقی ذلیل و خوار ہو کر کہیں کے نہ رہیں گے

گئے دونو جہانوں کے کاموں سے ہم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے
نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

# ۲۰ - پرماتما کیا پوچھیگا؟

بتا اے خاک کے پتلے کہ دنیا میں کیا کیا ہے؟
بتا کے دانت ہیں منہ میں ترے کھایا پیا کیا ہے؟
بتا خیرات کیا کی؟ راہِ مولا میں دیا کیا ہے؟
یہاں سے عاقبت کے واسطے توشہ لیا کیا ہے؟
دعائیں لیں کبھی ٹھنڈا کیا دل دردمندوں کا؟
بُرے حالوں میں تو شامل ہوا محتاج بندوں کا؟

---

کسی گم کردہ راہ کی خضر بن کر رہنمائی کی؟
کسی کی ناخنِ تدبیر سے عقدہ کشائی کی؟
دمِ مشکل کسی مظلوم کی حاجت روائی کی؟
کسی کی دستگیری کی؟ کسی سے کچھ بھلائی کی؟
کبھی کچھ کام بھی آیا کسی آفت رسیدہ کے؟
کبھی دامن سے پونچھے تو نے آنسو آبدیدہ کے؟

---

شریکِ دردوغم ہو کر کسی کا دکھ مٹایا ہے؟
مصیبت میں کسی آفت رسیدہ کے کام آیا ہے؟
پرائی آگ میں پڑ کر کبھی دل بھی جلایا ہے؟
کسی بیکس کی خاطر جان پہ صدمہ اٹھایا ہے؟
کبھی آنسو بہائے ہیں کسی کی بدنصیبی پر؟
کبھی کچھ ترس کھایا تو نے مفلس کی غریبی پر؟

کسی کا عقدۂ مشکل کبھی آسان کیا تو نے ؟
کسی درمان طلب کے درد کا درماں کیا تو نے ؟
کسی دلگیر کا دل غنچۂ خنداں کیا تو نے ؟
کسی کو بھی کبھی شرمندۂ احسان کیا تو نے ؟
خزاں آتے ہوئے دیکھی کبھی گلہائے نورس پر؟
کبھی کچھ ترس آیا عندلیب زار و بیکس پر؟

---

کبھی امداد دی تو نے کسی بیکس بچارے کو ؟
سخی بن کر دیا کچھ تو نے مفلس کے گزارے کو؟
تسلی دی کبھی تو نے کسی آفت کے مارے کو؟
کبھی تو نے سہارا بھی دیا ہے بے سہارے کو؟
شریک درد دل ہو کر خبر لی بے نواؤں کی ؟
لگی ہے چوٹ بھی دل پر صدا سن کر گداؤں کی؟

---

کسی برگشتہ قسمت بے نوا کی دلنوازی کی ؟
کسی کے خندۂ زخم جگر کی چارہ سازی کی ؟
کسی کے واسطے غم میں گھلا اور جانگدازی کی ؟
اگر تھا صاحب توفیق کیا بندہ نوازی کی ؟
سنا کب کان دھر کر نالۂ غم بے نواؤں کا؟
رہا ہر حال میں تو شیفتہ اپنی اداؤں کا؟

۱ جوان مرگ ✣ ۲ بیوگان ✣

*رہا مصروف ساری عمر شغلِ مئے پرستی میں
گنوائی رائیگاں عمر اپنی جوشِ کبر و مستی میں
تمنا پھولوں میں گل چھرے اُڑائے باغِ ہستی میں
بہت لُوٹی بہارِ عیش و عشرت تندرستی میں
رچائے رنگ تو نے خوب پی پی کر مئے احمر
شبِ مہتاب میں جلسے رہتے ہیں مہتابی میں

---

برائے عیش کی آراستہ بزمِ طرب کیا کیا۔
مئے بے درد کے ساغر اڑائے بے ادب کیا کیا۔
زر و گوہر لُٹایا مست ہو کر بے سبب کیا کیا۔
نشاطِ عیش کے جلسے رہے ہیں روز و شب کیا کیا
نہ آیا ہوش خود رفتہ رہا تو بادہ نوشی میں
رہا سرگرم کیا بزمِ طرب کی گرم جوشی میں

---

رہا محوِ تماشہ حسن کا اندازہ کا شیدا
رہا سو جان سے تو ہر ادائے ناز کا شیدا
رہا عشرت کا خواہش مند حرص و آز کا شیدا
رہا دولت کا دلدادہ رہا اعزاز کا شیدا
سدا مٹتا رہا آرائشوں پہ جامہ زیبی پر
سدا مٹتا رہا تو نغمۂ ہائے دلفریبی پر

برق دہلوی

* انسان شرمندگی سے لاجواب ہے مگر پرماتما اعمال نامہ پڑھتے ہیں ÷

باہتمام لالہ موتی رام منیجر مفید عام پریس واقع چیٹرجی روڈ لاہور میں چھپا اور ماسٹر کوتو رام جی گپتا بی اے بی ٹی سکنڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول لیہ نے ضلع مظفر گڑھ سے شائع کیا